الفاروق

سوانح عمری اور کارنامے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی

دارالاشاعت اردو بازار فون ۲۱۳۷۶۸ کراچی ۱

طبع اوّل دارالاشاعت ۱۹۹۱ء
طباعت شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ کراچی

مضمون	صفحہ نمبر
تمہید	۲۲
تاریخ کا عنصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے	۲۲
عرب کی خصوصیت	۲۳
عرب میں تاریخ کی ابتداء	۲۳
سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف	۲۴
قدیم تاریخیں	۲۵
قدماء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں	〃
متاخرین کا دور	۲۷
متاخرین نے قدماء کی خصوصیتیں چھوڑ دیں	〃
تاریخ کی تعریف	۲۸
تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں؟	۲۹
قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب	〃
واقعات کی صحت کا معیار	۳۰
روایت	〃
درایت	۳۱
الفاروق میں قدیم تاریخوں کی کس طرح پیروی کی گئی	۳۲
روایت کے اصول جن سے الفاروق میں کام لیا گیا	۳۲
اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے	۳۳
اصول روایت کے موجب واقعات کی	

مضمون	صفحہ نمبر
صحت کے مراتب	
تاریخ کا طرز	
تاریخ اور انشاء پردازی کا فرق	
یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز	
ترتیب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۳۶
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام و نسب	
سن رشد و تربیت	۳۸
حضرت عمرؓ کے جد امجد اور ان کو جو مرتبہ حاصل تھا	۳۹
حضرت عمرؓ کے برادر عم زادہ	〃
حضرت عمرؓ کے والد خطاب	۴۰
حضرت عمرؓ کی ولادت	۴۱
سن رشد	〃
نسب دانی کی تعلیم	۴۲
فن پہلوانی کی تعلیم	〃
شہسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا	〃
لکھنے کی تعلیم	۴۳
فکر معاش	〃
تجارت کے لئے سفر	〃

مضمون	صفحہ نمبر
قبول اسلام و ہجرت	۴۵
حضرت عمرؓ کی ہجرت	۴۷
حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی	۴۸
حضرت عمرؓ نے کہاں قیام کیا؟	"
مہاجرین اور انصار میں اخوت	"
حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی	"
اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قائم ہوا	۴۹
سن ۲ ہجری (۶۲۳ء) تا وفات رسول اللہ ﷺ	۵۰
غزوۂ بدر	۵۱
قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے	۵۲
غزوۂ سویق	۵۴
غزوۂ احد سن ۳ ہجری	"
حضرت عمرؓ کے واقعات میں ثابت قدم رہنے کی بحث	۵۶
حضرت حفصہؓ کا عقد حضرت رسول اللہؐ کے ساتھ	۵۸
واقعۂ بنو نضیر سن ۴ ہجری (۶۲۵ء)	"
جنگ خندق یا احزاب سن ۵ ہجری (۶۲۷ء)	۵۹
واقعۂ حدیبیہ سن ۶ ہجری (۶۲۸ء)	۶۰
حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا	۶۴
جنگ خیبر سن ۷ ہجری (۶۲۹ء)	"
غزوۂ حنین	۶۵
قرطاس کا واقعہ	۶۷
سقیفۂ بنی ساعدہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف	۷۱
سقیفۂ بنی ساعدہ کے متعلق جو غلطی پھیلی تھی اس کی مفصل بحث	۷۴
خلافت اور فتوحات	۷۸
عراق و شام پر اسلامی حملہ کے اسباب	
فتوحات عراق	۸۱
عراق پر لشکر کشی	
واقعۂ جسر اور مسلمانوں کی شکست	
واقعۂ بویب رمضان سن ۱۳ ہجری (۶۳۵ء)	۸۶
یزدگرد کی تخت نشینی اور اہل عجم کی تیاریاں	

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت عمرؓ کا خود سپہ سالار بن کر مدینہ سے نکلنا	
سعد بن ابی وقاصؓ کی سپہ سالاری	
فوج کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فوج کے افسر	
حضرت عمرؓ کی ہدایتیں	
تبلیغ اسلام کے لئے ناموران عرب کا انتخاب	
یزدگرد کے ساتھ سفرائے اسلام کا سوال و جواب	
بعض سفیروں کا رستم کے پاس جانا	
مغیرہ کی سفارت	
قادسیہ کی جنگ اور فتح محرم سن ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)	۹۷
فوج کی ترتیب	
فوج کے جوش دلانے کے لئے قصیدے	
رجز کی آتش بیانی	
ابو محجن ثقفی کا ایک پرجوش واقعہ	
ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پرزور تقریر سے جوش دلانا	
اختتام معرکہ	
رستم کا مارا جانا	
فردوسی کی غلط بیانی کا اظہار	
سعد بن ابی وقاص پر لوگوں کا طعن	
انتظامات میں حضرت عمرؓ کی دلچسپی	
بابل کی فتح	
مدائن کی فتح	
اسلامی فوج کی عجیب و غریب بہادری سے دریا عبور کرنا	
ایوان کسریٰ کی تصویروں کا قائم رکھنا	
فرش نوشیروانی کی عجیب و غریب مینا کاری	
جلولاء سن ۱۶ ہجری (۶۳۷ء)	۱۱۰
فتوحات شام	۱۱۲
شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات	
فتح دمشق	۱۱۳
حضرت خالدؓ کا عجیب و غریب بہادری سے شہر پر چڑھنا	
فحل ذوقعدہ سن ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)	۱۱۴
حضرت معاذ بن جبلؓ کی سفارت	
حمص سن ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)	۱۱۸

مضمون	صفحہ نمبر
ماذر لیبوں کی فتح	
حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی	
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخلہ	
حضرت بلالؓ کا نماز کے وقت اذان دینا	
معاہدے کے ساتھ حضرت عمرؓ کا برتاؤ	
یرموک ۱۵ھ رجب ۱۵ھ ہجری (۶۳۶ء)	۱۱۹
رومیوں کے ساتھ ملاقات کی ایک عجیب مثال	
جزیہ کے متعلق نہایت عجیب فیاضانہ	
ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہونا	
خالدؓ کا سفیر بن کر آنا	
خالدؓ کی تقریر	
حضرت خالدؓ کا اپنے قاصد سے فوج لڑانا	
خطیبوں کا فوج کو جوش دلانا	
عورتوں کا لڑنا	
عیسائیوں کا حملہ	
معاذ بن جبل وغیرہ کی عجیب ثابت قدمی	
خالدؓ اور عکرمہؓ کا حملہ	
مسلمان افسروں کی دلیری اور جرأت قدمی	
ایک عجیب واقعہ	
عیسائیوں کی شکست اور ان کے مقتولوں کی تعداد	
قیصر کا قسطنطنیہ کو بھاگنا	
حلب کی فتح	
انطاکیہ وغیرہ کی فتح	
بیت المقدس ۱۶ھ ہجری (۶۳۷ء)	۱۳۱
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا	
حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ہجری (۶۳۸ء)	۱۳۴
عیسائیوں کی طرف سے حملہ کی تیاری	
حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجیں بھیجنا	
حضرت عمرؓ کا خود دمشق کو روانہ ہونا	
عیسائیوں کی شکست	
حضرت خالدؓ کا معزول ہونا	۱۳۹
حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعلق تمام مؤرخوں کی غلطی	
معزولی کے اسباب	
معزولی کی پر اثر کیفیت	
حضرت عمرؓ کا یہ مشتہر کرنا کہ خالدؓ کی معزولی	

مضمون	صفحہ نمبر
خیانت کی وجہ سے نہ تھی	
عمواس کی وباء سن ۱۸ھ ہجری (۶۳۹ء)	۱۲۸
حضرت عمرؓ کا شام کی طرف روانہ ہونا	
حضرت ابوعبیدہؓ کا حضرت عمرؓ پر معترض ہونا	
معاذ بن جبل کی وفات	
عمرو بن العاص کا حسن تدبیر	
لاذقیہ کی فتح کی ایک عجیب و غریب تدبیر	
حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے شام روانہ ہونا	
سفر کی سادگی	
مناسب انتظامات	
قیساریہ کی فتح شوال سن ۱۹ھ ہجری (۶۴۰ء)	۱۴۰
جزیرہ سن ۱۹ھ ہجری (۶۳۷ء)	۱۴۱
تکریت کی فتح	
جزیرہ کے اور مقامات کی فتح	
خوزستان	۱۴۲
اہواز کی فتح	
جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے ان کا رہا ہونا	
ہرمزان کی تیاریاں	
ہرمزان کا امان طلب کرنا	
ہرمزان کا شان و شوکت کے ساتھ مدینے میں داخل ہونا اور اہل عرب کی حیرت	
ہرمزان کا اسلام لانا	
عراق عجم سن ۲۱ھ ہجری (۶۴۲ء)	۱۴۹
یزدگرد کا نئے سرے سے مسلمانوں پر حملہ کے لئے فوجوں کا فراہم کرنا	
ڈیڑھ لاکھ فوجوں کا فراہم کرنا	
حضرت عمرؓ کا اس مہم میں تمام صحابہ سے مشورہ کرنا	
حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کرنا اور تیس ہزار فوج روانہ کرنا	
مغیرہؓ کا سفیر بن کر جانا	
جنگ کی تیاریاں	
ضبط و استقلال کی عجیب مثال	
عجم کی شکست	
ایران پر عام لشکر کشی سن ۲۱ھ ہجری (۶۴۲ء)	۱۵۰

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت عمرؓ کوفی حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے	
لشکر کشی کی وجہ	
اصفہان کی فتح	
ہمدان و قیوس کی فتح	
آذربائیجان ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۲
طبرستان ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۳
آرمینیہ فارس ۲۳ھ ہجری (۶۴۴ء)	۱۵۳ / ۱۵۴
فارس پر حملہ کرنے کا اتفاقی سبب اصطخر	
فارس کا مفتوح ہونا	
کرمان ۲۳ھ ہجری (۶۴۴ء)	۱۵۶
سیستان ۲۳ھ ہجری (۶۴۴ء)	//
معاہدے کی پابندی کی ایک عجیب مثال	
مکران ۲۳ھ ہجری (۶۴۴ء)	۱۵۷
خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۳ھ ہجری (۶۴۴ء)	//
یزدگرد کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا	
خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانوں کے خلاف معرکہ	
یزدگرد کی ہزیمت	
مصر کی فتح ۲۰ھ ہجری (۶۴۱ء)	۱۶۰
فسطاط کا محاصرہ	
حضرت زبیرؓ کی جانبازی اور فسطاط کی فتح	
عمرو بن العاصؓ اور عیسائیوں کی صلح ہو گئی	
اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ ہجری (۶۴۱-۴۲ء)	۱۶۳
عیسائیوں کا مسلمانوں کو مدد دینا	
اسلامی فوج کا قلعہ میں گھسنا	
عمرو بن العاصؓ کا قید ہونا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا	
عبادہ بن صامتؓ کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا	
قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لے کر جانا	
حضرت عمرؓ کا اسیران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں	
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ ہجری	۱۶۶

مضمون	صفحہ نمبر
(۶۴۴ء)	
(کل مدت خلافت دس برس چھ مہینے ۴ دن)	
حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کئے جائیں	
خلافت کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا تردد اور اس کا سبب	
خلافت کے معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو	
حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے بڑھ کر مستحق خلافت کہنا	
حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت وصیتیں	
خلیفہ سب ملکوں کے ساتھ ہمدردی	
حضرت عمرؓ کے قرضے کا بندوبست	

****

فہرست مضامین
الفاروق حصہ دوم

مضمون	صفحہ نمبر
فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ	۱۷۰
فتوحات فاروقی کی وسعت	//
فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے مطابق	۱۷۱
یورپین مورخین کی رائے کی غلطی	//
فتوحات کے اصلی اسباب	۱۷۳
سکندر و چنگیز کی فتوحات کا موازنہ	۱۷۴
فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص	۱۷۶
نظام حکومت	۱۷۸
حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری؟	//
جمہوری اور شخصی حکومت کا موازنہ	//
عرب و فارس میں جمہوری حکومت نہ تھی	
حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (اصل)	۱۸۰
مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ	//
مجلس شوریٰ کے جلسے	//
ایک اور مجلس	۱۸۱
حکومت میں رعایا کی مداخلت	۱۸۲
خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا	۱۸۳
حضرت عمرؓ کی انتظامات کے لئے الگ	

مضمون	صفحہ نمبر
الگ محکمے قائم کرنا	
ملک کی تقسیم صوبجات اور اصلاح عہدہ داران ملکی	۱۸۱
حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے	"
نوشیروانی عہد کے صوبے	"
صوبوں کے افسر	۱۸۶
عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی	۱۸۸
عہدہ داروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ	۱۸۹
تنخواہ کا مسئلہ	۱۹۰
عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض	"
عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا	۱۹۱
عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست	"
زمانۂ حج میں تمام عاملوں کی طلبی	۱۹۲
عاملوں کی تنبیہ	
عاملوں کی تحقیقات	۱۹۳
کمیشن	۱۹۴
عاملوں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے ساتھ گرفت	۱۹۵
عاملوں کی تنخواہوں کا بیش قرار ہونا	"
عمال فاروقی کی فہرست	۱۹۶

مضمون	صفحہ نمبر
صیغۂ محاصل (خراج)	۱۹۸
خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا	"
ممالک مفتوحہ کا اصلی باشندوں کے قبضہ میں چھوڑنا اور اس امر میں صحابہ کا اختلاف	۱۹۹
حضرت عمرؓ کا استدلال	"
عراق کا بندوبست	۲۰۰
افسران کا بندوبست	"
عراق کا کل رقبہ	"
لگان کی شرح	۲۰۱
عراق کا خراج	"
زمیندار اور تعلقہ دار	۲۰۲
پیداوار اور تعلق میں ترقی	"
ہر سال مال گذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جاتا	"
حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا	۲۰۳
خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا	"
مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مال گذاری	"
رومیوں کا انتظام	۲۰۴
حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی	"
شام میں خراج کا قدیم طریقہ	۲۰۶
قانون مال گذاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات	۲۰۷

مضمون	صفحہ نمبر
ان اصلاحات کا عملی اثر	
بندوبست مال گذاری میں ذمیوں کی رائے لینا	۲۰۹
ترقی زراعت	"
محکمۂ آبپاشی	۲۱۰
خراجی اور عشری زمین کی تفریق	"
مسلمانوں کے ساتھ عشری زمین کی تخصیص کی وجہ	۲۱۱
اور قسم کی آمدنیاں	"
گھوڑوں پر زکوٰۃ	"
عشور	۲۱۲
صیغۂ عدالت	۲۱۳
محکمۂ قضاء	"
رومن امپائر کے قواعد عدالت کا حضرت عمرؓ کے قواعد سے موازنہ	"
قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر	۲۱۴
قضاۃ کا انتخاب	۲۱۶
حضرت عمرؓ کے زمانہ کے حکام عدالت	۲۱۷
قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا	"
رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل	۲۱۸
انصاف میں مساوات	"
آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا	۲۱۹
ماہرین فن کی شہادت	"
عدالت کے مکان	۲۲۰

مضمون	صفحہ نمبر
محکمۂ افتاء	۲۲۰
محکمۂ افتاء کی ضرورت	۲۲۱
حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی	"
ہر شخص کو فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا	
فوجداری اور پولیس	۲۲۲
جیل خانہ کی ایجاد	"
جلا وطنی کی سزا	۲۲۳
بیت المال یا خزانہ	
بیت المال پہلے نہ تھا	"
بیت المال کس سن میں قائم ہوا؟	"
بیت المال کے افسر	۲۲۴
بیت المال کی عمارتیں	
جو رقم دارالخلافہ کے خزانہ میں رہتی تھی	۲۲۵
پبلک ورکس یا (نظارت نافعہ)	۲۲۶
حضرت عمرؓ نے نہریں تیار کرائیں	"
نہر معقل	۲۲۷
نہر سعد	"
نہر امیر المومنین	"

مضمون	صفحہ نمبر
نہر سویز کی تیاری کا ارادہ	۲۲۸
حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف صیغوں کی	
عمارتیں	۲۲۸
دارالامارۃ	"
دفتر	"
خزانہ	۲۲۹
قید خانے	"
مہمان خانے	"
سڑکوں کا انتظام	"
مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں	۲۳۰
شہروں کا آباد کرنا	"
بصرہ	۲۳۱
کوفہ	"
فسطاط	۲۳۴
فسطاط کی وسعت آبادی	"
موصل	۲۳۵
جیزہ	"
صیغۂ فوج	۲۳۷
قدیم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر مکمل	"
حضرت عمرؓ کے فوجی انتظام کی ابتداء	۲۳۸
فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا	۲۳۹

مضمون	صفحہ نمبر
باقاعدہ فوج اور والنٹیر	۲۳۹
فوجی صدر مقامات	"
صدر مقامات میں فوج کے لئے جو انتظامات تھے	
چھاؤنیوں کی تفصیل	۲۴۰
فوجی بارکیں	"
گھوڑوں کی پرداخت	"
فوج کا دفتر	"
رسد کا افسر	"
فوجی چھاؤنیوں کا مقام اور ان کی آب و ہوا	"
فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں	۲۴۵
فوجی شہر کی وسعت	۲۴۶
ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی	"
حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس زمانہ تک قائم رہا اور اس کے تغیر کے اسباب	"
فوج میں عجمی، رومی، ہندو، یہودی بھی داخل تھے	۲۴۷
گھوڑوں کی ترقی	۲۴۸
رسد کا انتظام	۲۴۹
رسد کا مستقل محکمہ	"
خوراک، تنخواہ اور بھتہ	"
تنخواہوں کی تقسیم کا طریقہ	۲۵۰
تنخواہوں کی ترقی	"
اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم	۲۵۱
بہار کے زمانے میں فوج کا قیام	"
آب و ہوا کا لحاظ	"
کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا لحاظ	۲۵۲

مضمون	صفحہ نمبر
رخصت کے قاعدے	۲۵۲
فوج کا لباس	"
فوج میں خزانچی، محاسب، مترجم	۲۵۳
فن جنگ میں ترقی	"
فوج کے مختلف حصے	۲۵۴
ہر بڑی فوج کے ساتھ منجنیق اور دبابے ہوتے تھے	"
قلعہ شکن آلات	"
سفرمینا	۲۵۵
خبر رسانی اور جاسوسی	۲۵۶
پرچہ نویسوں کا انتظام	"
صیغۂ تعلیم اور صیغۂ مذہبی	۲۵۷
اشاعت اسلام کا طریقہ	۲۵۸
اشاعت اسلام کے اسباب	۲۵۹
حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے	۲۶۰
حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں بڑی کوشش کی	۲۶۲
قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ	
اعراب کی تصحیح	۲۶۳
قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام، مکاتب قرآن	۲۶۴
بدوؤں کو جبری تعلیم	"
کتابت کی تعلیم	"
قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کیلئے دور دراز مقامات پر بھیجنا	

مضمون	صفحہ نمبر
تعلیم قرآن کا طریقہ	۲۶۵
دمشق کی مسجد میں طلبہ کی تعداد	۲۶۶
اشاعت قرآن کے اور وسائل	"
حافظوں کی تعداد	"
صحت اعراب کی تدبیریں	"
ادب اور عربیت کی تعلیم	۲۶۷
شہسواری کی تعلیم	"
نحو	"
مسائل فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	۲۶۸
پہلی تدبیر	
دوسری تدبیر	
تیسری تدبیر	
چوتھی تدبیر	
فقہ کی تعلیم کا انتظام	۲۷۰
فقہاء کی تنخواہیں	۲۷۱
معلمین فقہ کی رفعت شان	"
ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا	"
اماموں اور مؤذنوں کا تقرر	۲۷۲
حاجیوں کی قافلہ سالاری	"
مساجد کی تعمیر	۲۷۳
حرم محترم کی وسعت	"
حرم کی تجدید	"
مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت	۲۷۴
مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام	"
متفرق انتظامات	۲۷۵

مضمون	صفحہ نمبر
سن ہجری کا مقرر کرنا	۲۷۵
مختلف قسم کے رجسٹر	۲۷۶
دفتر خراج	۲۷۶
بیت المال کے کاغذات کا حساب	"
مصارف جنگ کے کاغذات	۲۷۷
مردم شماری کے کاغذات	"
کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ	"
سکہ	۲۷۸
ذمی رعایا کے حقوق	۲۷۹
قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ	"
حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟	"
بیت المقدس کا معاہدہ	"
ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دینا	۲۸۱
بندوبست مال گذاری میں ذمیوں کا خیال	۲۸۲
ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ	"
ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید	۲۸۳
مذہبی امور کی آزادی	۲۸۴
مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری	۲۸۵
ذمیوں کی عزت کا خیال	۲۸۶
سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک	"
ذمیوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا	۲۸۸
ذمیوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلطی	۲۸۹
نقیبوں کے اعتراض اور ان کا جواب	"
ذمیوں کو خاص لباس اور زنار کے استعمال کا کیوں حکم تھا	۲۸۹
صلیب اور ناقوس کی بحث	۲۹۰
اصطباغ کی بحث	
عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ	۲۹۲
جزیہ کی بحث	"
غلامی کا رواج کم کرنا	۲۹۵
عرب کا غلام نہیں ہو سکتا	"
ممالک مفتوحہ میں غلام نہ کرنا	"
حضرت شہر بانو کا قصہ	
شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ	۲۹۸
عام غلاموں کے ساتھ مراعات	۲۹۸
غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا	۲۹۹
غلاموں میں اہل کمال کا پیدا ہونا	"
سیاست و تدبیر عدل و انصاف	۳۰۰
عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق	"
حضرت عمرؓ کی حکومت	۳۰۱

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں	۳۰۳
اصول مساوات	۳۰۵
امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟	۳۰۶
سیاست	۳۰۸
عہدہ داران سلطنت کا انتخاب	۳۱۰
بے لاگ عدل و انصاف	"
قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت	۳۱۱
واقفیت کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار	۳۱۲
بیت المال کا خیال	۳۱۳
تمام ملک میں گشت کا ارادہ	۳۱۶
رفاہ عام کے کام	"
فقراء اور مساکین کے روزینے	۳۱۷
مسافر خانے	"
لاوارث بچے	۳۱۸
یتیموں کی خبر گیری	"
قحط کا انتظام	"
رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی	۳۱۹
جزئیات پر توجہ	۳۲۰
رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل	"
سفارت	۳۲۱
شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری	"
رعایا کی خبر گیری کے متعلق حضرت عمرؓ کی چند حکایتیں	۳۲۲
امامت اور اجتہاد	۳۲۴
مسائل اعتقادی میں حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی	۳۲۴
مسئلہ قضا و قدر	۳۲۵
تعظیم شعائر اللہ	۳۲۶
نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں	"
حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا مصالح عقلی پر مبنی ہونا	۳۲۸
حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی	۳۲۸
اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا	۳۲۹
غرور و فخر کا استیصال	"
ہجو کی ممانعت	"
ہوا پرستی کی روک	۳۳۱
شاعری کی اصلاح	"
شراب خوری کی روک	"
آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا	"
حضرت عمرؓ کی اجتہادی حیثیت	۳۳۳
احادیث کا تفحص	"
حدیثوں کی اشاعت	۳۳۴
ایک تحقیقی نکتہ	"
احادیث میں فرق مراتب	۳۳۵
روایات کی چھان بین	"
کثرت روایت سے روکنا	۳۳۸
حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ	۳۴۰
صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے	۳۴۱

مضمون	صفحہ نمبر
سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے	۳۴۱
اصول	۳۴۲
علم فقہ	//
فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں	//
حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو مجلس میں پیش کرنا	۳۴۳
تحقیق مسائل میں ہمیشہ غور و خوض کرتے رہنا	۳۴۴
فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا	۳۴۶
لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفتاء کرنا	//
صحابہؓ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا	۳۴۸
مسائل اجماعیہ	//
حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد	۳۴۹
حضرت عمرؓ کا اصول فقہ کو مرتب کرنا	//
خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث	۳۵۲
قیاس	۳۵۴
استنباط احکام کے اصول	۳۵۵
مسائل جن میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات	۳۵۹
خمس کا مسئلہ	۳۶۰
مے کا مسئلہ	۳۶۱
باغ فدک کی بحث	۳۶۳
ذاتی حالات اور اخلاق و عادات	۳۶۹
عرب میں جو اوصاف لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے حضرت عمرؓ میں سب موجود تھے	//

مضمون	صفحہ نمبر
قوت تقریر	۳۶۹
خطبے	//
خطبے کے لئے تیار ہونا	۳۷۰
[illegible] کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے	
اور اس کی وجہ	//
بعض خطبوں کے اصل الفاظ	
قوت تحریر	۳۷۳
مذاق شاعری	۳۷۴
حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے	//
زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک	۳۷۶
نابغہ کی تعریف	۳۷۶
امرؤ القیس کی نسبت ان کی رائے	//
شعر کا ذوق	۳۷۷
حفظ اشعار	//
اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا	//
شاعری کی اصلاح	۳۷۸
لطیفہ	۳۷۸
علم الانساب	۳۷۹
عبرانی زبان سے واقفیت	//
ذہانت و طباعی	۳۸۰
[illegible]	۳۸۱
صائب الرائے ہونا	۳۸۲
اسلام کے احکام جو حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرار پائے	۳۸۳
جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا ان میں حضرت عمرؓ کی	۳۸۴

مضمون	صفحہ نمبر
رائے صائب ہونا	
[illegible] خلافت پر حضرت عمرؓ کی رائے	۳۸۴
محنت اور مزدوری	//
زاہدانہ زندگی	۳۸۵
بے نفسی	۳۸۶
علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لئے ایک یہودی عیسائی کا طلب کرنا	۳۸۷
علمی مجلس	۳۸۸
ارباب صحبت	۳۸۹
اہل کمال کی قدردانی	۳۹۱
متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ	۳۹۲
اخلاق و عادات تواضع و سادگی	۳۹۴
تحمل	۳۹۶
[illegible]	۳۹۷
آل و اولاد کے ساتھ محبت	۳۹۸
مسکن و وسائل معاش تجارت	۳۹۹
جاگیر عطا ہونا کر واپس کرنا	//

مضمون	صفحہ نمبر
لباس سادگی اور بے تکلفی	۴۰۰
حلیہ [illegible]	۴۰۱
ازواج و اولاد	۴۰۲
ازواج	//
حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا	//
اولاد امجاد	۴۰۶
عبداللہ بن عمرؓ	//
سالم بن عبداللہ	//
عاصم	۴۰۷
خاتمہ	۴۰۸
دنیا میں جس قدر مشہور فرمانروا اور ارباب کمال گزرے ہیں سب پر حضرت عمرؓ کو ترجیح	

****

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الفاروق جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے، اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اس کا ذکر آگیا تھا اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم عام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجزا ابھی تیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک الفاروق کا غلغلہ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔

ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اس کے بجائے دوسرے کام چھڑ گئے۔ چنانچہ اس اثناء میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوکبہ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ میرے ساتھ الفاروق کی طرف سے بیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھا لیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں اس زور سے بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا، بالآخر اگست [illegible] کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے سے اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی سوانح وقتاً فوقتاً اب بھی سد راہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا فصل پیش آگیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ قطعاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لئے آرام کیا۔

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید — زورق اندیشہ بساحل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ

۔ طبع اول [illegible] مصنف

تعالیٰ عنہ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دو حصہ مصنف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور بنائیں۔ لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس وادی کا مرد میدان نہیں اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہر حال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نظر آئے گا۔ مثلاً اضافت کی حالت میں "مکہ" اور "مدینہ" کی بجائے "مکے" اور "مدینے" اور جمع کی حالت میں "صوبہ" اور "قلعہ" کے بجائے "صوبے" اور "قلعے"۔ لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہو سکے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت کہہ لینی چاہیے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی مخاطب بہ اعظم کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنف بہت بڑے مترجم بہت بڑے زبان دان ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے حامی اور مربی ہیں۔ اسی وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک سر وقار الامراء بہادر کے سی آئی ای مدار المہام دولت آصفیہ خلد اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پر نور رستم دوراں افلاطون زماں ظل اللہ بارگاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پہنیں وہ اس سلسلے میں داخل ہو جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو

التفات و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اس وقت موجود ہیں اس لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدن عرب جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلسلے کا ایک قیمتی جواہر ہے۔

خاکسار کو [illegible] میں جناب ممدوح کی پیش گاہ سے صلہ دربار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں گی۔

اسی معاہدہ پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے۔ جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقے میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے حالات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیے میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی
مقام اعظم گڑھ ۔ ستمبر [illegible]

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے ہمہ در پردہ نہاں راز تو — بے خبر انجام ز آغاز تو

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

تمہید۔ تاریخ کا عنصر

تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے۔ لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا، تاریخ و تذکرہ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کیلئے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب، عجم، تاتار، ہندی، افغانی، مصری، یونانی، غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ رکھتی ہیں۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں مسلسل بسلسلہ ہزاروں لاکھوں قوموں تک پہنچ جاتی تھیں۔ یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے سروکار نہ تھا اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے۔ اور در حقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ تالیف و تصنیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۶۰ ہجری) کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک والاخبار الماضیین لکھا

ہے 'کتاب الیمن' کی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد عوانہ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ ہجری کا نام ذکر کرنے کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۱۲۵ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

سیرۃ نبوی ﷺ میں سب سے پہلی تصنیف

۱۴۳ ہجری میں جب تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ ہجری نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ علامہ مورخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ ہجری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی قلم بند کیے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا اس لئے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ (المغازی موسیٰ بن عقبہ [illegible] موسیٰ بن عقبہ کے تذکرے میں، مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو)

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے۔ جن میں ابو مخنف کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام قریش کے پیچھے، قبائل عرب کے مناقرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ملی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اور خیال کی بات یہ ہے کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس اثنا میں بے شمار مورخ گزرے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں کتابیں لکھیں ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

[illegible]

قدما کی تصنیفیں

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
[illegible]	فرمودات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائی کا حال	
عیسیٰ بن محمد الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد الاستاذ تھے
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی، کتاب فضائل الانصار	محدثین میں اول کا
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ ہجری	فتوحات خالد بن ولید	
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی المتوفی ۲۲۵		اس نے آنحضرت اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور سب نئے عنوان اختیار کیے
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی، اسماء خلفاء و کتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبد الرحمن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور مستند مورخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲	کتاب امراء الکوفہ، کتاب امراء البصرہ	مشہور مورخ تھا

قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں۔ لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، مولود ۲۱۳ ہجری، متوفی ۲۷۶ ہجری۔ نہایت ثقہ اور

[illegible]

مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے استناد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے۔ جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ ہجری یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۸ عیسوی میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ ہجری نہایت ثقہ اور مستند مؤرخ ہے۔ اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایہ ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے۔ اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بسند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمنی میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لیے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۳ عیسوی میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیی البلاذری المتوفی ۲۷۹ ہجری ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان و انساب الاشراف۔ پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں۔ اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔ یہ کتاب تھوڑی سی [illegible] عیسوی میں [illegible] جرمنی میں چھپ گئی۔

[illegible]

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ ہجری یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۶ ہجری فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اکثر تصانیف ناپید ہو گئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے۔ جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار مؤرخ گزرے جن میں سے ابن اثیر، سمعانی، ذہبی، ابو الفداء، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

قدماء کی خصوصیتیں

قدماء کی جو خصوصیات تھیں کھو دیں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ مثلاً قدماء کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اس کے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلدون نے معیار التواریخ کہا ہے اور حقیقت میں اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں۔ ماخذ کا اشتراک ہے ایک حرف بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتا۔ اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا دار و مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا سو علم جرا

[illegible]

اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدماء کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدماء میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدماء میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آ سکتا تھا وہ یہی قدماء کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے جو آج ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کارآمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل لکھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے ان حالات اور واقعات... کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ حالت گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجے کے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات اور مذاہب موجود ہیں، سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہئے تھے۔ اس لئے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا، اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کے لئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں

ان تعریفات کی بناء پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کئے جائیں یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ بعلاوہ اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں۔ اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں آیا۔ اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی۔ اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بیکار تھا۔

واقعات میں سلسلۂ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے فلسفۂ تاریخ کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغازی و سیر میں روایات کا پایہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا، نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ آخر میں ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے، لیکن اس کو صرف اس قدر فرصت ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہو

ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے، انتظامی امور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مورخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی۔ جیسی کہ ایک عامی کی ہو سکتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشاء پرداز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایہ میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے لیکن اگر اس میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون داں نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست اور علم اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کمال سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے، وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

واقعات کی صحت کا معیار

واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔

روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ ثقہ الروایہ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس

قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ ان کو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں حدیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری، 'فتوح البلدان'، طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات سند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے۔ چنانچہ ابن حزم، ابن قیم، خطابی، ابن عبدالبر[1] نے خصوصاً روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ پہلی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

> ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادۃ و قواعد السیاسۃ وطبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فربما لم یؤمن فیها من العثور۔
>
> یعنی اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر قیاس نہ کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ

[1] ابن عبدالبر قرطبی [illegible]

اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے ان کی آج کہاں تک تلافی کی جا سکتی ہے۔ یعنی ہم اپنی کتاب الفاروق میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً احکام السلطانیہ للماوردی مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع سے خاص سیدہ قضا کے متعلق ان کا طریق معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی معرفۃ الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ قلمی ہیں اور مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے قلمی نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں۔ اور میرے پاس موجود ہیں۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ریاض النضرۃ محب الطبری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے عمداً اس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اصول سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اس کے اصول و قواعد نہایت خوبی سے

منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آ سکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) واقعہ زیر بحث اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

(۲) اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

(۳) واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

(۴) اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کی قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

(۵) راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔

(۶) اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخی حالات ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم زمانہ کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو

استحقاق دیئے جائیں۔ لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کے بچوں کو بھی حق استحقاق دیا جائے۔

مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو خاص لباس پر مجبور کیا تھا۔ لیکن روایۃً تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس التزام کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔

مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر حشو اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں۔ فدک، قرطاس، سقیفۂ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، بخاری سب نے نقل کئے ہیں۔ لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اسی نسبت سے روایتوں میں حشو اور زواید اور تعجب انگیز الفاظ کم ہوتے گئے یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

ان ہی اصول تنقید کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں مختلف اعتبار کے درجے بھی قائم کرنے ہوں گے مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیل مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب، ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی، پہلوانوں کے داؤ پیچ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے اس لئے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ تحقیق کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے۔ اور ان کی نسبت شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے۔ اور اکبر کے نام سے ان کو شہرت ہوگئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہئے کہ جو فقرے زیادہ پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں۔ کیونکہ

ایک فصیح مقرر کے فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا مدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص قدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ حصے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے ان کا ذکر آ جاتا ہے۔ ان کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا۔ مثلاً علامہ مورخین عموماً بیرونی معرکہ آرائیوں اور فتحیابیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں۔ باایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں عدالت، پولیس، بندوبست، مردم شماری وغیرہ کا ضمناً ذکر آ جاتا ہے۔ اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے کہ جس قدر لکھا گیا ہے اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد و تقشف، سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں۔ اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہئے۔ جو حلیۃ الاولیاء، ابن عساکر، کنز العمال، ریاض النضرۃ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عام گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں۔ اور عوام ان کو نہایت شوق سے سنتے تھے اس لئے خواہ مخواہ ان میں مبالغہ کا رنگ آ گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے۔ اور ریاض النضرۃ، ابن عساکر، حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجہ کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پردازی سے مرکب ہیں۔ اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن در حقیقت تاریخ اور انشاء پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی مقام کا نقشہ کھینچے تو تمام حدود اربعہ کے ساتھ اس کی وسعت، شکل، سمت، جہت، اطراف، اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائے گا جن میں

کوئی خاص اثر نہیں ہے اور جس سے انسان کی قوت متخیلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کر دے گا لیکن ایک انشاء پرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات بالعموم سامنے ہونے سے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سارا واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آجکل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرز عمل کا موجب ہے وہ مشکل ہے اس کی تعریف ایک یورپین نے ان الفاظ میں کی ہے۔

> اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ ملک کا، مذہب اور قوم کا طرفدار نہ ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔"

یہ امر بھی جتانا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے احتیاطی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں۔ لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کرے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے ساتھ اس طرح ملا کر ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آ گئے ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

(۲) کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

(۳) جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفاء و ریاض النضرۃ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے اس سے یہ مقصود ہے کہ خاص ایسی روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کی گئی ہے۔ غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند قدم در خموشی زدہ لب
کس چہ داند کہ درین پردہ چہ سودا کردم
[illegible]
گاہ الفاروق خوش تیز تماشا کردم
[illegible]
[illegible] کردم
[illegible]
[illegible] کردم
[illegible]
[illegible] کردم
[illegible]
[illegible] کردم
[illegible]
[illegible] کردم

نام و نسب۔ سن رشد و تربیت

سلسلۂ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے بعد گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ ان ہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں سے دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا اور ان کے انتساب سے دس جداگانہ قبیلے بن گئے یعنی ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی ان پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی، حجاج کی خبرگیری، سفارت، مشیر، قبہ کا انتخاب، اہل مقدمات، مجلس شوریٰ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جد اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو یہی سفیر بن کر جاتے تھے۔ اس کے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو فضیلت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور نبض شناس ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

۱۔ یہ پوری تفصیل عقد الفرید باب فضائل عرب میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جد امجد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم بنایا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف خطاب کر کے یہ جملے کہے:

اتنافر رجلاً ھو اطول منک قامۃ واوسم منک وسامۃ واعظم منک
ھامۃ واکثر منک ولداً واجزل منک صفداً واقل لا اقول ھذا
وانک لبعید الغضب رفیع الصوت فی العرب جلد المریرۃ
لجیل العشیرۃ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پدر اور عم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو اور خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے۔ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا اوروں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے۔ اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا میں جا رہے۔ تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔ جن سے ان کے اتحاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دو شعر یہ ہیں۔

ارباً واحداً ام الف رب

۱۔ یہ پورا مفصل حال اسد الغابہ، کتاب الاوائل اور معارف ابن قتیبہ میں ہے۔

ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزیٰ جمیعاً
کذلک یفعل الرجل البصیر

ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو؟ جب کہ امور تقسیم ہو گئے۔ میں نے لات اور عزیٰ (بتوں کے نام تھے) سب کو چھوڑ دیا اور سمجھدار آدمی یہی کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لئے غالب اسی کا رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے۔

ابو عدی لی ابو منکر وودونی
رجال لا ینهنها الوعید
رجال من بنی سهم ان عمرو
الی ابیا تهم بلاد الطریه

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں ان کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں باقی رہے۔ جن میں سے ایک مکان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا اور مروہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ڈھا کر حاجیوں کو اترنے کے لئے میدان بنا دیا۔ لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔ خطاب نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کا نام حنتمہ تھا ابن ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لئے جاتے

کتاب المعارف ابن قتیبہ — تاریخ مکہ ازرقی — [illegible]

تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نانا تھے۔ ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً ایک غل اٹھا دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے۔ اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ جوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو اونٹ چرانے کی خدمت سپرد کی یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ کے قریب قدید سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں۔ نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور مقرری تھی۔

نسب دانی کا فن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا' جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں بڑے نساب تھے' غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور منافرت یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا' جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل تھا' یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے' عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے تھے اس لئے وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی' حسان بن ثابت' قیس بن ساعدہ' خنساء جن کو شاعری اور طلاقت تقریر میں تمام عرب مانتا تھا اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بہ سند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شہسواری کی نسبت ان کا کمال مسلم ہے چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔ قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی صریح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے رکھا تھا اور یہ منصب صرف اسی شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت میں ہی عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ دوسرے اشغال میں ایسے محو ہو گئے

[illegible]

تھے کہ اس قسم کے جوہر بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی' علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں صرف ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے' ان میں ایک عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱)

ان فنون سے فارغ ہو کر فکر معاش میں مصروف ہوئے' عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا' وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے' خودداری' بلند حوصلگی' تجربہ کاری' معاملہ دانی' یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انہی سفروں کی بدولت تھے' ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی' علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ:

ولعمر بن الخطاب اخبار كثيرة في اسفاره في الجاهلية الى الشام والعراق مع كثير من ملوك العرب والعجم وقد اتينا على مبسوطها في كتابنا اخبار الزمان والكتاب الاوسط

"عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے"۔

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں۔ لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت سے ناپید ہو چکیں' میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کا پتہ لگے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذری ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

نظم کے معاملات کے سرکاری اور تجارت کے تعلقوں نے ان کو تمام عرب میں روشناس کیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کیا۔ قبائل میں جب کوئی پر خطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر کر بھیجتے

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لبینہ ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا کہ ع

تو آں دوست کہ ما می خواہیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔" فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی۔ بہن نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں

ان کی زبان سے نکلا کہ "عمرا جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ ان الفاظ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی۔

سبح للہ ما فی السموٰت والارض وھو العزیز الحکیم۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے آمنوا باللہ ورسولہ تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے۔ اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا "کیوں عمر کس ارادے سے آیا ہے؟" نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔ اور ساتھ ہی تمام اصحاب نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(اسد الغابہ تذکرۃ عمر اور طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر بحوالہ ابن ابی عمیر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک ۴۰ یا ۴۵ آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے مذہبی فرائض علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی۔ لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا۔

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی صلی عند الکعبۃ وصلینا معہ

"جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں وقوع ہوا۔

ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی غصہ اور برہمی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آ گئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہا۔ حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اسی سختی سے گزرا اس کی تفصیل ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبداللہ بن اشہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے۔ لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطاب، سعید بن زید بن خطاب، خنیس بن حذافہ سہمی، عمرو بن سراقہ، عبداللہ بن سراقہ، واقد بن عبداللہ تمیمی، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی، سعید بھتیجے، خنیس داماد اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ (۶۲۲ء) سنہ ہجری نبوی میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا، انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا اثر یہ ہے کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری مہاجر کو اپنی جائیداد، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا، اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب لحاظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا اسی رتبے کے انصاری کو اس کا بھائی بناتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا ان کا نام عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

۱؎ دیکھو سیرت ابن ہشام صفحہ [illegible] ابن حجر نے مقدمہ صحیح بخاری [illegible] میں عتبان [illegible] کا نام لکھا ہے لیکن [illegible] ابن سعد کے حوالے سے [illegible] کا نام لکھا ہے [illegible] حضرت [illegible] نہیں کیا۔

تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قبا ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں مقیم رہے۔ لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دے کر بالالتزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر روایت کرتے تھے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کیے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ زکوٰۃ، روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر کوئی چیز وہاں مشروع نہیں ہوئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اعلان کا طریقہ بھی نہیں متعین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی، ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہرحال یہ امر زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ نکلے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

سن ۱ ہجری (۶۲۳ء) تا وفات رسول اللہ ﷺ
غزوات و دیگر حالات

سن ۱ ہجری (۶۲۳ء) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات اور حالات در حقیقت سیرۃ نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کارنامے گو کتنے ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لئے جب لکھے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی قرار پائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے۔ اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں۔ اور جن واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک کسی واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اس کی اصلی شان قائم نہیں رہتی تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

اب ہم اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائے گا تو وہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر پا کر ان کو روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی

فوجیں بھیجیں اور وہ وہیں رک گئے۔

غزوہ بدر سن ۲ ہجری (۶۲۴ء)

۲ ہجری (۶۲۴ء) میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابو سفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امڈ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینے سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقاً من المومنين لكارهون يجادلونك في الحق بعد ما تبين كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون واذ يعدكم الله احدى الطائفتين انها لكم وتودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم .

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے۔ بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کانٹا نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔"

(۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

(۲) مدینے سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکہ یعنی ابو سفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سر و سامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلہ میں ۴۰ آدمی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی ۹۵۰ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے روکنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸ رمضان ۲ ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینے سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی، جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے مقام بدر میں، جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے معرکہ ہوا اور کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ قریش کی طرف سے ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے رؤسائے مکہ تھے اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس معرکہ میں رائے، تدبیر، جانبازی، پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے میں سے ایک شخص بھی شریک جنگ نہیں ہوا اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رعب و داب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ زید بن الخطاب، عبداللہ بن سراقہ، واقد بن عبداللہ، خولی بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ (ابن ہشام صفحہ [illegible])

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (ابن جریر صفحہ [illegible] و استیعاب)

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اس کی

۱ [illegible]

پہلی مثال ہے۔

اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی۔ اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے سردار تھے۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عقیل (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) ابو العاص بن الربیع، ولید بن الولید ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں کہ "**اعطیتم بایدیکم هلا متم کراماً**" "تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے"

قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس لئے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔ اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ علی عقیل کی گردن ماریں۔ حمزہ عباس کا سر اڑائیں۔ اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پسند کی۔ اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض الخ

"کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خونریزی نہ کر لے"۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹا دیا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کلی انتظامات کے سلسلے میں سب سے پہلے کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے

[illegible]

اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فتحیاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں۔ چنانچہ خود چھیڑ شروع کی۔ اور کہا کہ قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے۔ ہم سے کام پڑا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۲ ہجری میں ان پر چڑھائی کی۔ اور بالآخر گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخوں میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک مسلسل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتدا اسی سے ہوئی تھی۔

غزوہ سویق

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابو سفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لیں گے غسل تک نہ کریں گے۔ چنانچہ ذی الحجہ ۲ ہجری میں دو سو سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ لیکن ابو سفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳ ہجری (۶۲۵ء) میں جنگ احد کا مشہور واقعہ ہوا۔

غزوہ احد ۳ ہجری

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر بہت سے سرداران قریش نے ابو سفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے۔ ابو سفیان نے قبول کیا۔ اور اسی وقت عرب کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابو سفیان ان کا سپہ سالار بن کر بڑے سر و سامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ اور ۵ شوال ۳ھ کو مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے۔ لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر مجبور ہو کر مدینہ سے نکلے۔ قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اس وقت تک یہ دونوں

صاحب اسلام نہیں لائے تھے) کل عرب کی فوج تھی جن میں سو زرہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ مدینہ سے قریباً تین میل پر احد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جبیر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا۔ اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو دجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور ان کی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتاً عقب سے بڑے زور و شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اسی کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے اس برہمی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو متزلزل کر دیا۔ اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخیر تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہ گیا تھا۔ محمد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتاً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے گئے۔

تمام واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہیں سے مدینہ تک دم لیا۔ کچھ لوگ

۱؎ یہ تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد [illegible] صفحہ [illegible] میں ہے۔

جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینا بیکار ہے۔ جنہوں نے مجبور و مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تیسرے گروہ میں تھے' علامہ طبری میں بسند متصل جس کے رواۃ حمید بن سلمہ' محمد بن اسحاق' قاسم بن عبدالرحمن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو' ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی اسی کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذری۔ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔ ابن ہشام میں ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔ بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ سے نہیں ہٹے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت میں پہنچے' طبری اور سیرت ہشام میں ہے۔

فلما عرف المسلمون رسول الله ﷺ نهضوا به نحو الشعب معه علي بن ابي طالب وابو بكرؓ بن ابي قحافة وعمر بن الخطاب وطلحة بن عبيد اللهؓ والزبير بن العوام والحارث بن الصمة

"پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت علیؓ' حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' طلحہ بن عبید اللہ' زبیر

[illegible]

بن العوام اور حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے"۔

علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

وكان ممن انكشف يوم احد فغفر له

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا"۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا اس سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی حضرت عمر) نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے' علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے ان میں عباس بن عبداللہ الباکسائی اور فیض بن اسحاق ہیں اور دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے' رسول اللہ اس وقت تیس (۳۰) صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا۔ خدایا۔ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ ابوسفیان سالار قریشؓ نے درے کے قریب پہنچ کر پکار کر کہا "اس گروہ میں محمد ہیں یا نہیں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ "ضرور یہ لوگ مارے گئے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رہا نہ گیا پکار کر کہا "او دشمن خدا ہم

[illegible]

سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا اُعْلُ ھُبَل "اے ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو" رسول اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جواب دو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ یعنی خدا بلند و برتر ہے۔ (سیرت ہشام صفحہ [illegible] طبری صفحہ [illegible])

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

اس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ۳ ہجری شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔

واقعہ بنو نضیر ۴ ہجری (۶۲۵ء)

۴ ہجری (۶۲۵ء) میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے۔ آنحضرت نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ۴ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملے میں استعانت کے لئے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن جحاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پتھر کی سل گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی، آپ اٹھ کر چلے آئے۔ اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قابو پا کر جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر

میں جا کر آباد ہوئے۔ اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ (طبری صفحہ [illegible])

خیبر والوں میں اسلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینا چاہا، مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا اور تمام ممالک میں ایک آگ لگا دی۔

جنگ خندق یا احزاب ۵ ہجری (۶۲۷ء)

چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور شوال ۵ ہجری میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر نہ بن پڑی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے خندق کے ادھر ادھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو ۵۰۰ سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بے دلی پیدا ہوئی ادھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی۔ جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی، مختصر یہ کہ لشکر کا ابر سیاہ جو مدینے کے افق پر چھایا تھا روز بروز چھٹتا گیا۔ اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

[illegible]

واقعہ حدیبیہ ۶ ہجری (۶۲۸ء)

۶ ہجری میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا۔ اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو۔ حکم ہوا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آکر خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز و اقارب وہاں ہیں اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہو گا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک رکھا۔ اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دئیے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی۔ اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی تھی' یہ واقعہ بیعت شجرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں "لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ" اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجا رہے ہیں۔ عبداللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو ضد تھی کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے ردوبدل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہو گا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہو گی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے۔ اور اس طرح بات چیت کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ! بے شک ہوں۔

حضرت عمر! کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ! ضرور ہیں۔

حضرت عمر! پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ! میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا' چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی۔ اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے' نفلیں پڑھیں' خیرات دی' غلام آزاد کئے' تاہم سوال و جواب کی اصل بناء اس نکتہ پر تھی کہ رسول کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر وہ سورۃ نازل ہوئی جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے

۱۔ طبری صفحہ ۱۵۴۶

زیادہ عجیب یہ ہے کہ آپ نے یہ آیتیں پڑھیں **انا فتحنا لک فتحا مبینا**

(صحیح بخاری، قصہ حدیبیہ)

مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز پھیلتے گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم میں نہ آئی تھی وہ یہی مصلحت تھی۔ اور اسی بنا پر خدا نے سورۃ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا

اس وقت تک کافر عورتوں کو عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی **ولا تمسکوا بعصم الکوافر** تو یہ امر ممنوع ہو گیا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافر تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جرول تھا۔ ان دونوں کو طلاق دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین اور والیان ممالک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

جنگ خیبر ۷ ہجری (۶۲۸ء)

۷ ہجری میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ۵ ہجری میں قریش کو جا کر بھڑکایا۔ اور ان کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی۔ لیکن انتقام کے خیال سے باز نہ آئے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۶ ہجری میں قبیلہ بنو سعد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانچ سو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرت صلی

۱ فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۲۶۰ ذکر حدیبیہ ۲ طبری واقعات ۷ھ ۳ صحیح مسلم باب [illegible]

اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سد راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضروری تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۷ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے مضبوط قلعے بنا لئے تھے۔ مثلاً حصن ناعم، حصن قموص، حصن صعب، وطیح اور سلالم۔ یہ سب قلعے جلد از جلد فتح ہو گئے۔ لیکن وطیح و سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار کر کے بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا کر لڑے۔ لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہو گا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج کر آئے۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی۔ لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ خیبر کی زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے۔ اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن تھی۔ اور مدت سے

معرکے ہو چکے تھے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح ہو گئی جس میں قریش اور خزاعہ معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند روز بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے ان کی اعانت کی۔ یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔ تب بھی ان کو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ ابو سفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو تجدید صلح کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا وہ اٹھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کرا دیجئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور رمضان ۸ ہجری میں دس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مرالظہران میں نزول اجلال ہوا۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے۔ ادھر سے ابو سفیان آرہا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا "میں تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں" ابو سفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا ہوا۔ ابو سفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "عمر! ابو سفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی۔ جب آپ اسلام لائے تھے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش قبول کی۔ اور ابو سفیان کو امن دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو سیرت کی کتابوں میں منقول ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

غزوۂ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین[1] کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادے سے مدینہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچ گئے تو مکہ پر حملہ کے لئے بڑے ساز و سامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ڈالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بھگا دیا۔ لیکن مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا۔ اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند............ کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں۔ اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں۔ کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ "آنحضرت کے ساتھ چند آدمی از مہاجرین و انصار و اہل بیت باقی رہ گئے تھے جن میں ابوبکر و علی و عمر و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔" لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۹ ہجری میں خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سن کر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا

[1] حنین مکہ معظمہ سے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے [illegible] ہے۔ [2] تاریخ طبری۔ [3] صحیح مسلم [illegible]۔ [4] ابن اسحاق کی اصل کتاب اب نہیں ملتی۔ لیکن اس کا ایک ملخص [illegible] [illegible]

زمانہ تھا۔ اس لئے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اس لئے چند روز قیام فرما کر واپس آ گئے۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال ہوا تھا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی اس لئے تمام صحابہ کو نہایت رنج و افسوس تھا۔ تاہم کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہونا چاہا۔ لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکار کر دربان سے کہا کہ "شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حفصہ کی گردن مار دوں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بلا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو انہیں یہ خوشخبری سنا آؤں۔ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی واقعہ کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ "عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے یہاں تک کہ اب ازواج میں بھی دخل دینا چاہتے ہو"۔

۹ ہجری (۶۳۰ء) میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آ گئے اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ ۱۱ ہجری (۶۳۲ء) ماہ صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور کیا۔ اور تمام اکابر صحابہ کو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ جائیں۔ لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور یہ بیماری بڑھتی گئی۔

۱ ترمذی [illegible] ۲ صحیح مسلم باب الطلاق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروایت مشہور تیرہ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بسند صحیح ان کی تعداد دس دن بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ خاص وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بخاری کا یہ مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا۔ اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو سکو گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ "رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں"۔ (نعوذ باللہ) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے گستاخی اور سرکشی ہوئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہو گی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہو گی۔ اور اس لئے اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پروائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں۔ اور اصل روایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے مسئلہ نا منفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کہ نہیں ہذیان انسانی عوارض میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عوارض انسانی سے بری نہ تھے

۱ [illegible]

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ یہ واقعہ جس طرح سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن تک بیمار رہے۔

② کاغذ قلم دوات طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تصریح مذکور ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک زندہ رہے۔

③ اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

④ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) باایں ہمہ بجز عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور کسی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں ہے۔

⑤ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت صرف تیرہ برس کی تھی۔

⑥ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔ (بخاری باب کتابۃ العلم میں یہ حدیث مذکور ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ میں موجود نہ تھے۔ اس لئے محدثین نے اس امر پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم)

⑦ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ محدثین نے اس کی یہ تاویل کی ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ لوگوں نے یہ الفاظ انکار و تعجب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی جاتی؟ کیا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیہودہ ہے کہ اس پر لحاظ نہ کیا جائے۔ یہ تاویل گو مناسب ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً

ھجر ھجر (بخاری) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھجر (صحیح مسلم)

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ" لوگوں کو ہذیان کا کیونکر خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے

ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیزیں لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو۔" اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح بھی مان لی جائے تب بھی اس قدر ضرور تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دی ہیں۔ کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ لے دے کے اس عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۱۳ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو تنگ نظری یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری حیثیت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے۔ اور اسی اثناء میں متعدد دفعہ جو ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ جس دن وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے[1] لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ شب کو مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کے وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خود رفتہ ہو گئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر ڈالوں گا۔

[illegible]

[1] طبری صفحہ ۱۸۱۰

لیکن قرائن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا منتظر تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہو گا اسی واقعہ نے راویوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی۔ اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کی جائے۔ کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب مشہورہ سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور اس طرح اس کوشش میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بزور منوانا چاہا اور بنو ہاشم نے تامل سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں جو امور طلب ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ یہ کہ خلافت کا سوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں چھیڑا تھا؟

۲۔ یہ کہ وہ کس جوش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

(۳) کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟

(۴) اسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟

پہلی دو بحثوں کی نسبت ہم نہایت معتبر کتاب ابو یعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت قطعی طور پر معلوم ہو سکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ انہ قد حدث امر ان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوھم ان یحدثوا امرا یکون بینکم فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا چلو ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو، ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ چلو۔"

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ اس غرض سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی کیفیت یہ ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے، مہاجرین کے رئیس و افسر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے آپ اچھے ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار دیا تو پھر کبھی کوئی امید نہ رہے گی۔

(دیکھو بخاری باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ، البخاری)

اس روایت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک یقین نہ تھا اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا، اس کے علاوہ اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک مجمع ہوا تھا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المحاربین صفحہ ۱۰۰۹ طبع میرٹھ)

کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔

"ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع

ہوسکے"۔

یہ تقریر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت بڑے مجمع میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہ موجود تھے اسلئے اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو' ورنہ یہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

وان علیا والزبیر ومن کان معهما تخلفوا فی بیت فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

"اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہو گئے"۔

تاریخ طبری میں ہے۔

وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفه وقال لا اغمده حتی یبایع علی۔ (تاریخ طبری صفحہ [illegible])

"اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے گی تلوار میان میں نہ ڈالوں گا"۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے

(۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) بنو ہاشم

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔

(۳) جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] سقیفہ کو چلے گئے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم و الم میں مصروف تھے' اور ان کو ایسے پر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آ سکتا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے۔ اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا اور جو کیا گیا بجا تھا یا بے جا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے .... منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں کیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع اور گریہ و زاری میں مصروف رہیں' یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے۔ اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش بہ انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ "ہم ان ہمسروں سے نہیں لڑ سکتے" کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی حکومت سے انکار ہوتا' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا "**وان العرب لا تعرف هذا الامر الا لهذا الحی من قریش**" اس کے علاوہ انصار میں خود گروہ تھے' اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضروری تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے بااثر بزرگ اور مسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و جرح میں پھنس گئے تھے۔ اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان' ابو عبیدہ بن جراح' عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک

[illegible] بیعت کی۔

کیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے صرف بنو ہاشم اپنے انتظار میں رکے رہے۔
اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد ان سے بیعت لینی چاہی۔ لیکن بنو ہاشم حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور
علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت
فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا "یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم
آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اسی طرح جمع ہوتے رہے تو
میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا"۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم
اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے راویوں کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم
روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں
گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے
اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جمعیت اسلامی کا
شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی اور حضرت
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہوئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی
مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری میں انتقال کیا۔ اس مدت میں
اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت سے انجام
پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ بہرحال عہد صدیقی کے واقعات
ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ ہیں۔ جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری
لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت
کا بار گراں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے
قریب انہوں نے رائے کا اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے
عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلیت میں کیا کلام
ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان کی سختی اس لئے

تھی کہ میں نرم تھا جب کام انہی پر آ پڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر
سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں"۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو
بعض لوگوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا
کر کہا کہ "آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ
تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے۔ اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں۔ یہ
سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں خدا سے
کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے
زیادہ اچھا تھا" یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ اور عہد نامہ لکھوانا شروع
کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوانے پائے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ
دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔
تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا لکھا ہے مجھ کو پڑھ کر
سناؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ خدا
تم کو جزائے خیر دے۔" عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام
کو دیا کہ مجمع عام میں سنا دے۔ پھر خود بالا خانے پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے
اور کہا کہ میں نے اپنے کسی عزیز و رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر
کیا کیا تم لوگ اس پر راضی ہو۔ سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے
عمدہ دستور العمل کا کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب عرب کے ارتداد اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۱۳ ہجری (۶۳۴ء) میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا ایک نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ اس کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عاربہ جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اس کے نام کو شہرت دے دی ہے۔ جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے۔ اور اسی تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم ازدی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ اور عراق کا بادشاہ کہلایا اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی• کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے واقعات و حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر حیرہ کی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرہ میں اس زمانے

• ہشام کلبی مشہور مورخ اور نساب گذرا ہے۔

میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا۔ لیکن وہ حقیقت میں سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاپور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا۔ اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی چنانچہ شاپور ذوالاکتاف جب صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبدالقیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا۔ اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے۔ شاپور جب بڑا ہو کر جوہر استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ بحرین میں پہنچ کر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبدالقیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ راستے میں عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانہ میں تھا۔ عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا کسی اور سبب سے پرویز نے اس کو قید کر دیا۔ اور قید ہی میں اس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں۔ اور جب اس نے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے۔ اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ

هذا اول یوم انتصفت العرب من العجم

یعنی "یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا"۔

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر و جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا۔ پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے دربار میں لائے"۔

اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے لخم و غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا اور زور و قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے لیکن یہ لقب خود اختیار ساختہ لقب تھا۔ ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے در حقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی۔ اسلام کا جب زیادہ شیوع ہوا تو مشرکین عرب کی طرح یہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط لے کر گئے تھے تو واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو انہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کر دیا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دے کر بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرجیل نے ان کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کیلئے رسول اللہ نے سنہ ۸ ہجری میں فوج کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے۔ اور گو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی سے فوج صحیح سلامت نکل آئی لیکن نتیجہ حقیقت میں شکست تھی۔

۹ ہجری میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ کچھ تم نے سنا! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے۔

اسی حفظ ما تقدم کے لیے ۱۱ ہجری میں رسول اللہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار ہو کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا اور جو بچ جائے گا مدافع عن الدین ہو گا۔ یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا۔ ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کی تکمیل کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات[1] عراق

فارس کی حکومت کا جو خاندان ساسانی کہلاتا ہے نوشیرواں عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی لیکن اس کے مرنے کے ساتھ دفعتاً ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایوان حکومت تک متزلزل ہو گیا۔ شیرویہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش پندرہ تھے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر سات برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ ہجری کا بارہواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ بھی ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی۔

۱۔ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کیے ہیں۔ [illegible] عراق عرب [illegible] عراق عجم کہتے ہیں۔ [illegible]

پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تخت و تاج کا مالک ہوگا۔ (شیرویہ کے بعد حکومت کی ترتیب اور سلاطین کی تفصیل میں مورخین [illegible] ہیں کہ یہ واقعات بھی باہم متفق نہیں۔ طبری کا بیان سب سے مختلف ہے میں نے علامہ ابو حنیفہ دینوری [illegible] کے بیان کو ترجیح دی ہے)

پرویز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جابجا بے امنی پھیل گئی۔ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خیال کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرہ و ابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی و بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت سے واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[۱] ان نو مسلموں کا ایک جم غفیر لے کر عراق کا رخ کیا۔ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے تمام سرحدی مقام فتح کر لئے۔ اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنوایا تھا ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں[۲] لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں تھا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمت عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ ادھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیع الثانی ۱۳ ہجری (۶۳۴ء) میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں۔ ادھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتہً رک گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ

۱۔ اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری۔ ۲۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۴۳۔

کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے بے شمار آدمی آئے تھے۔ اور تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے۔ اور وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لئے سب خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ "مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں" حاضرین میں سے ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے وہ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ "انا لھذا" یعنی اس کام کے لئے میں حاضر ہوں۔ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار[۱] آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کو خیال ہوا یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ "عمر! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لڑنے سے جی چرائے وہ افسر مقرر کئے جائیں" تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضروری تھی ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایران کو چونکا دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سپید کا مالک ہے یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام امراء اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی بد انتظامیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہرمز و پرویز کے

۱۔ بلاذری کی روایت ہے [illegible] ہزار تعداد لکھی ہے۔

زمانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلے یہ تدبیر کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیئے جنہوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابو عبید کے پہنچنے سے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لئے ایک اور فوج گراں تیار کی۔ اور نرسی و جابان کو اس پر سالار مقرر کیا۔ جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اور عراق کے بعض اضلاع قدیم سے اس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے ادھر ابو عبید اور مثنیٰ حیرہ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت یہ دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے جابان نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اثناء میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے۔ نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جابان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ بدقسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جابان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ جابان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں کس کام کا ہوں مجھ کو چھوڑ دو معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لے لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جابان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

ابو عبید نے اس معرکہ کے بعد لشکر کا رخ کیا۔ جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسریٰ کے ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایۂ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ سخت معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا۔ اور تھوڑی تھوڑی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں بغاوت پھیلائی ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوندو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے۔ مطیع ہو گئے۔ چنانچہ اظہار خلوص کے لئے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے ابو عبید نے دریافت کیا

کہ یہ سامان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرخ نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبید نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ اور جس کو ذوالحاجب کے لقب سے بہمن کا خطاب ہوا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔ اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا۔ دونوں حریف صف آرا ہوئے چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبید کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اس طرف رہنا چاہئے۔ لیکن ابو عبید جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے کہا کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔ سرداروں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ مردان شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ عرب مرد میدان نہیں ہیں"۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا۔ اور ابو عبید نے اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دیا۔ مثنیٰ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل خلاف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبید سے بڑھ کر تھا۔

جب ابو عبید نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ گو ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو جائے گی۔ تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت جائز نہیں۔ غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی

تھی۔ ابو عبیدہ نے دیکھ کر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے باری باری سے علم ہاتھ میں لئے اور مارے گئے۔ آخر میں مثنیٰ نے علم لیا۔ لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا۔ اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طرہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف راستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اتار دے۔ خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس جانبازی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آبھی گیا تو اس کا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے۔ اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے۔ اور روتے تھے جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے۔ اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم ﴿اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ﴾ میں داخل ہو لیکن ان کو اس سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ ہجری میں واقع ہوا اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے ان میں سلیط، ابو زید انصاری، عقبہ و عبداللہ پسران قبطی بن قیس، یزید بن قیس الانصاری، ابو امیہ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۳ ہجری (۶۳۵ء)

اس شکست نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور

سے حملہ کی تیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطیب اور نقیب بھیج دیے جنہوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی۔ اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لے کر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب، بنو کنانہ، خثعم، بنو حنظلہ، ضبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں"۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلے کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا یہ ایک مشہور سردار تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیے کہ جہاں جہاں اس قبیلے کے آدمی ہوں، تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں۔ جریر یہ جمعیت عظیم لے کر مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات پر نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کیے جائیں۔ اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے ہی فرات اتر کر بڑے سروسامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے نہایت ترتیب سے صف درست کی فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیے چنانچہ میمنہ پر مذعور، میسرہ پر نسیر، پیدل پر مسعود (برادر مثنیٰ) پر عاصم، گشت کنندوں پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا۔ اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا "امید ہے کہ تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے گا"۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حرب و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے۔ اور تیسرے نعرے پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور بعض لوگ جوش میں آ کر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصے میں آ کر داڑھی دانتوں میں دبالی اور پکارے کہ "خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو۔" اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آ کر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہہ کر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکار کر کہا گھبرانا نہیں یہ معمولی غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پہ لے کر حملہ کیا۔ اور پہلے حملے میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح جوش کر کے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! کہاں جاتے ہو میں یہ کھڑا ہوں"۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے ان کو سمیٹ کر حملہ کیا۔ عین اسی حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بے دل ہوا چاہتی تھی کہ مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں۔ شرفاء یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں"۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ "میرے مرنے سے بے دل نہ ہونا"۔

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا۔ اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1] تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا۔ اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان نے اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجے میں پکارا کہ "میں تغلب کا نوجوان ہوں اور میں عجم کا قاتل ہوں"۔

۱۔ الاخبار الطوال لابی حنیفہ دینوری۔ (طبری روایت سیف)

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدت کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عراق پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آ گئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑا ہوں۔ اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکے کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقے میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پایہ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "زنانہ حکومت اور باہمی کے اختلافات کا یہی نتیجہ تھا"[1]۔ اسی وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا۔ اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروزہ سلطنت کے دست و بازو تھے۔ باہم میں عداوت رکھتے تھے۔ درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آ گئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی۔ اور تمام مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود بڑے سازو سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی رئیس، صاحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو۔ فوراً دربار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آ پہنچا تھا۔ خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن ابی وقاص

۱۔ یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ طبری نے فارس کی زبانی کہا ہے۔

ے تین ہزار آدمی بھیجے۔ جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و قلم کا مالک تھا۔ حضرموت، صدف، مذحج، قیس، عیلان کے چیدہ چیدہ سوار ہزارہا کی جمعیت لے کر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار، بنو تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ، میمنہ پر زبیر، میسرہ پر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین! یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہو گی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز دیکھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں۔ اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی۔ اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ آخر اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بار گراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ دفعتاً عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کون ہے؟ بولے کہ "سعد بن ابی وقاص" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مرتبے کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تردد تھا۔

لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی تو ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ احکام بھیجتے رہتے تھے اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینے سے عراق تک کی فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نامزد کر دی تھیں۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ سترہ اٹھارہ منزلیں طے کر کے ثعلبہ پہنچے۔ اور یہاں مقام کیا ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر آگے بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی ان سے آ کر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، سعد سے بیان کئے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ، ظاہر بھی وہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا۔ جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش تیس ہزار تھی۔ پھر میمنہ و میسرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہو گی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں ہجر کے بادشاہ تھے رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔

[illegible]

میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے
میسرہ (بایاں حصہ)	شرحبیل بن السمط	نوعمر آدمی تھے' مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجردہ (سوار)	سلمان بن ربیعہ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبداللہ بن ربیعہ الباہلی	
رائد یعنی رسد و چارہ کا بندوبست کرنے والے	سلمان فارسیؓ	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب		

علاوہ عشائر میں سے ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے' تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے' اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ (کوفہ سے ۴۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر ہے) میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادسیہ نہایت شاداب' نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور

۱؎ افسوس ہے کہ طبری نے صحابیوں کے نام نہیں لکھے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ان سے ساتھ طلب کیے

حال بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا' سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی صورت اور حالات لکھ کر بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب پہنچے۔ یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا جو مفت ہاتھ آیا۔ قادسیہ پہنچ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبریں لائیں۔ انہوں نے آ کر بیان کیا کہ رستم پسر فرخ زاد جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی' وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔ سعد نے سردارانِ قبائل میں سے چند نامور اشخاص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے' عطارد بن حاجب' اشعث بن قیس' حارث بن حسان' عاصم بن عمر' عمرو بن معدی کرب' مغیرہ بن شعبہ' معنی بن حارثہ قد و قامت اور ظاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن' بسر بن ابی رہم' حنظلہ بن الربیع التمیمی' فرات بن حیان العجلی' عدی بن سہیل' مغیرہ بن زرارہ عقل و تدبیر اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایۂ تخت قدیم زمانے میں اصطخر تھا لیکن نوشیروان نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا اور اسی وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰-۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفراء گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راستے میں جدھر سے گزر ہوتا تھا تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی' یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھے تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سفراء آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا اور سفراء کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جبے پہنے کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب

کی دھاک بٹھا دی تھی۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے، یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ برد (فارسی کے معنی کے لحاظ سے) کہا "جہاں برد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ "سوط"، وہ "سوخت" سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند" ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے، پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اٹھ کر کہا کہ "یہ لوگ (اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) رؤسائے عرب ہیں۔ حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے انہوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ ان کو میں بیان کرتا ہوں، یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے، آپس میں کٹتے مرتے تھے اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول ہم نے اس کی مخالفت کی، وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے، وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا، وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں۔ جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔" یزدگرد غصے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوایا۔ اور کہا کہ تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں"۔ ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ "فتح مبارک ہو! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی"۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا۔ ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آ گئے۔ ان میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو معلوم ہوا رعایا یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ مجبوراً رستم کو مقابلے کے لئے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب تباہ ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی روانگی جس وقت ساباط سے ہوئی، سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ لشکر کشی کی ترتیب وغیرہ کا سامان ان باتوں کی دریافت کے لئے فوجی افسر متعین کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ طلیحہ ایک دفعہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا تھا تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکائی۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس نے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا۔ انہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو سوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے میں تمام فوج میں غل پڑ گیا اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ میرے ابن عم تھے۔ اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے متعلق بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ سعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت

قدری اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم جنگ لڑنے سے جی چراتا تھا۔ ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ یہ عجیب وضع سے چلے۔ ٹاٹ کی گدڑی اوڑھی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا تھا۔ دیبا کا فرش زریں گاؤ تکیے، حریر کے پردے، صدر میں مرصع تخت۔ ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے۔ تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اس کی انی کو اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جابجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر برچھا مارا جو فرش کو آرپار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔" رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آکر ان کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ اور جب اس کے کاٹ کی جانچ کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔ ربعی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے۔ اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج پہن کر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیموں میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصب دار قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم سے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوبداروں نے ہاتھ پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لیے

مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔ مترجم جس کا نام عبود تھا حیرہ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار حیرت زدہ ہوا اور بعض بعض بول اٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔ رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ "یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا۔" پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ان تکلوں سے کیا ہو گا؟" مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لو گو چھوٹی ہے پھر بھی آگ ہے۔" رستم نے ان کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا "کس قدر بوسیدہ ہے۔" انہوں نے کہا کہ "ہاں لیکن تلوار پر ابھی باڑ رکھی گئی ہے۔" اس نوک جھونک کے بعد مطلب کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلوا دیا جائے گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہو گا۔" رستم غصے سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ "آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔" مغیرہ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ کی جنگ اور فتح

محرم ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمربندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک تیار ہو جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی۔ خود سلاح جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زرہیں پہنیں، سر پر خود رکھا، ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔" کسی سپاہی نے کہا "ہاں اگر خدا نے چاہا۔" بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی۔"

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا جن کے ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے

۱؎ یہ فقرہ عرب کا مشہور شعر تھا اور اس [illegible]

قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لئے موقع جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بیٹھا دیے جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے بالاخانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیے کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش بیانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ، حطیہ، اوس بن مغراء، عبدۃ بن الطیب، عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں ربیع بن البلاد السعدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع سعدی، ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے درج کے قابل ہیں۔

ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معشر معدٍ اجعلوا حصونکم السیوف و کونوا علیھم کالاسود

الا جم وادرعوا العجاج الا بصار و اذا کلت السیوف

فارسلوا الجنادل علیھا فانھا یوذن لھا مالا یوذن للحدید

"معاشرانِ معد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن کر جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔"

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب

سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا پہنے زریں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر لگایا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا "ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا، ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعتہ بدکے اور منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کا ساتھ دو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کا سردار اور مشہور بہادر تھا، ساتھیوں سے کہا "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔" تمام قبیلے نے جوش میں آ کر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی بہادری سے اگرچہ یہ ریلا آخر کسی قدر تھم گیا لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعتہ بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعد جس وقت بالاخانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھیں کہ "افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا" سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔ سلمیٰ نے کہا "سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی" یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی

لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم ہوا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم دو کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ یہ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعد کے بھتیجے سپہ سالار تھے اور ہراول قعقاع کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ ادھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ "لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے"۔ دونوں حریف تلواریں لے کر مقابل ہوئے اور تھوڑی دیر کی ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ بزار عمران بن عتبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع کے وار کر قتل ہوا۔ غرض جنگ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیئے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گروہ بنے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا [illegible] دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کے لئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو التمیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور

قبیلۂ ربیعہ کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں برجستہ یہ شعر پڑھا

لقد علم الاقوام انی احقهم　　اذا حصلوا بالمرهفات البواتر

"سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کاٹ ڈالنے والی نازک تلواریں پائیں"

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پردرد لہجے میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفیٰ حزنا ان تردی الخیل بالقنا　　واترک مشدودا علی وثاقیا

"اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا ہوں"

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت　　مصاریع من دونی تصم المنادیا

"جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے اس طرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے"

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں۔ انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ کون بہادر ہے۔

سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے۔ لیکن وہ قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کئے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا "خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا"۔

ابو محجن نے کہا "خدا کی قسم میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا"۔

۱۔ [illegible]

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔ اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بكم البلاد ولم تقحمكم السنة ثم جئتم بأمكم عجوز كبيرة فوضعتموها بين ايدي اهل فارس والله انكم لبنو رجل واحد كما انكم بنو امرأة واحدة ما خنت اباكم ولا فضحت خالكم انطلقوا فاشهدوا اول القتال وآخره.

"پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو۔ اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ جاؤ! آخر تک لڑو"۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا میرے بیٹوں کو بچانا"۔

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو سمجھا کر پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ صبح ہوتے سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آ گئیں، ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہاشم بن عتبہ جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یہ گو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور وہ برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہاشم نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا ہے اور فارس کی فتح کا خدا کی طرف سے وعدہ ہے جو تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ

ے خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں [illegible]

ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو معدی کرب نے رفیقوں سے کہا میں مقابل ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا"۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی۔ اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتاً ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا، بدن پر جا بجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی۔ اور ہاتھ چلا جاتا تھا اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا، انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں صف کی صف الٹ جاتی ہے ضخم و مسلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے انہوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعد نے قعقاع، عاصم، حمال، ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیے کہ ہاتھیوں کو نرغے میں کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے۔ ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا، ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج کے سرے سے ترتیب دی، قلب میں اور دائیں بائیں تہ بہ تہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا۔ اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فنی اصولوں سے گو یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا **اللھم اغفرلہ وانصرہ** یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا"۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع **بجیلہ** کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدایا اس کو معاف کرنا اور یار و مددگار رہنا" اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے بڑھ نہ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ ہمیذ نے اس پر حملہ کیا لیکن تلواریں زرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سواران قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اس نے غصے میں آ کر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سواران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا۔ ساتھ ہی قیس بن اشعث عمرو معدی کرب ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو للکار کر کہا کہ دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں کھینچ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور میمنہ و میسرہ کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے تعاقب کیا اتفاق سے ایک سر سامنے آ گئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا"۔ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا تمام فوج میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء فردوسی نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے ز لشکر بدرد
یکے جنگ رستم نکوکار سعد
چو بیدار رستم بجنگ آمد گشت
جوان مرد تازی بد چنین گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے جن میں شہریار، ابن الہربذ، فرخان اہوازی، خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ وار جان دی۔ لیکن ہرمزان اہوازی، قارن وغیرہ موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا شمار نہ تھا مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔ اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو ان کی طرف سے یہ گلہ رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا:

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ
وسعد بباب القادسیۃ معصم

"ہم برابر لڑا کیے یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی پر بیٹھے رہے۔"

فابنا وقد آمت نساء کثیرۃ
ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم

"ہم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں لیکن سعد کی بیوی بیوہ نہیں ہوئی"۔

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے ان کو اپنے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے۔ وہ قاصد کی راہ

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہے [illegible]
[illegible]

پہنچتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے، ادھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا، بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے۔ اس نے کہا کہ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص آتا ہے ان کو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ فرمایا "نہیں کچھ حرج نہیں۔ تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو۔" چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا: "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکہ میں جو عجم و عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے ان میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعد نے دربار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کر کے رائے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ برتاؤ بڑھا کہ تھوڑے دنوں سے ان میں رشتہ داریاں ہو گئیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزان کو سپہ سالار قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لئے ۱۵ ہجری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصبہری سد راہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کر لی۔ اور بابل تک موقع موقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گذر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار مثلاً فیرزان، ہرمزان، مہران، نخیرجان وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ بن الحویہ کو فوجیں آگے

روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو ایک رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے جب کچھ ادھر ہی تھے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں پکار کر کہا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو آئے گا۔ یہ کہہ کر نائل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا۔ نائل کو کمزور دیکھ کر برچھا ہاتھ سے پھینک دیا اور گردن میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا۔ اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نائل کے منہ میں آ گیا۔ نائل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نائل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نائل نے ہتھیار اور کپڑے اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیئے۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا کہ نائل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے۔ اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تلک الایام نداولها بین الناس کوثی سے آگے بڑھے تو بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ جو ہر روز ایک بار قسم کھاتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس کو بھی زوال نہیں آ سکتا۔" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا۔ اور لوگ ادھر ادھر نکل کر جا بجا آدمی گرفتار کر لائے۔ شیرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعد سے سفارش کی کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں۔ ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں لکھ لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعے سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مل کر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے . . .

کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر دیجئے بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو آ کر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بنے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پہنچے۔ پل تھا نہ کشتی۔ فوج سے مخاطب ہو کر کہا "برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔" یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی۔ اور دفعتہً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت زخار اور مواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آ گئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ "دیوان آمدند دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور کنارے پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر سد راہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی۔ اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ **كم تركوا من جنت وعيون وزروع ومقام كريم ونعمة كانوا فيها فكهين كذلك واورثنها قوما اخرين۔**

۱؎ ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا ہوا۔ [illegible]

[illegible]

یہ کہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب ﷺ کی صحبت میں رہے تھے۔ تاہم مجوسیوں کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔

([illegible] تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے)

تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ دیوانات شاہی کا خزانہ اور عجائبات لا کر یکجا کیے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نوشیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگاریں تھیں۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوبین کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کا پالان تھا اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار ہوا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اسی پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے۔ بیچ میں سبزے کا تختہ تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھل پھول تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے، جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارت گری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سب سامان لا کر چنا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نوادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا کے دیانتدار ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محلم نام کا مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تہنیت کا جدا، چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب لباس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیرواں کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی وہ ایسی یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء¹ ۱۶ ہجری (۶۳۷ء)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرلشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور راستوں اور گذرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک، ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے روز جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں کا محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اسی (۸۰) معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی۔ بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور و شور سے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتاً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین آسمان میں اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جابجا خندق کو

¹ جلولاء [illegible] سواد میں ایک شہر ہے [illegible]

پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی اس امر کی خبر پہنچ گئی تھی۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گوکھرو بچھوا دیے اور فوج کو سازوسامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر متعین کیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو نیزوں سے نوبت آئی یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے نقیبوں سے کہلوا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتہً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت اور بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقوا بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اس لئے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں ان کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبد الرحمن بن عوف اور عبد اللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ رو پڑے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔ سعد خود

جلولاء ... اور حلوان کی طرف روانہ ہوئے ... قصر شیریں ... تک پہنچ گئے ... مقام ... [illegible] ... تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ یہاں عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ... شام ... ابتدائی حالات کی ... ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۳ ہجری میں شام کی طرف لشکر کشی کی۔ ابوعبیدہ ... یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرحبیل کو اردن پر، عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ ... عرب کی سرحد ... رومیوں ... جو پہلے مقابلے کے لئے تیار تھے ... قیصر ... فوجیں ... مقابلے ... دمشق ... کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں۔ چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں ... لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے ... دمشق پہنچے ... مقام ... قیصر نے ... بڑی فوج ... مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابوعبیدہ ... اور رومیوں کو ... چنانچہ شرحبیل ... عمرو بن العاص ... خالد ... مسلمانوں ... فتح حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ ... جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری ... میں واقع ... خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر دمشق ... حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ... فتح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حاصل ہوئی ... تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

دمشق شام کا ایک بڑا مشہور مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ اس وجہ سے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرے کے سامان کئے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو چکے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر، شرحبیل باب الفرادیس پر، ابوعبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد ... ساتھ باب الشرقی کے قریب ... محاصرہ ... عیسائی ... تھے ... مسلمانوں کی فوج ... سمجھتے ... ایک ... اور مستقل ... پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کو یہ ... ہرقل ... موجود ... فوجیں ... اسی اثنا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے موسم سرما تک یہاں آپ سے آپ ہٹ جائیں گے۔ لیکن ان کی یہ امیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ ادھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالکلاع کو ... دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مدد نہ آنے پائے۔ چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وہیں روک دی گئیں۔ محصورین کو اب بالکل یاس ہو گئی۔ اسی اثنا میں ... مسلمانوں کے حق میں ... کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ... تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کئے اور کثرت سے شرابیں پیں کہ شام ہوتے ہوتے ... خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ اس سے بہتر موقع ... ہاتھ آ سکتا تھا۔ اسی وقت اٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا ... شہر پناہ ... خندق پانی سے لبریز تھی ... [illegible] ... سے ... فصیل ... کے ... دروازے ... پھاٹک ... کھول دیا ...

[illegible footnote]

دروازے کھول دیئے اور فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی دروازے کھلتے ہی ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور بہادروں کو تہ تیغ کر دیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے کھول دیئے اور ابوعبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچایئے۔ اتفاق یہ کہ جو کچھ ہوا بازار تھا۔ ابوعبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کر لیا تھا اگرچہ وہ بزور فتح کیا تھا۔ لیکن ابوعبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب ۱۴ ہجری (۶۳۵ء) میں ہوئی۔

فحل ذوقعدہ ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)

دمشق کی شکست سے رومیوں کو سخت برہمی ہوئی اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے سروسامان اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجی تھیں وہ دمشق تک نہ پہنچی تھیں وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکار نام کا ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق، حمص، اردن، فلسطین مشہور اضلاع ہیں اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب ۱۰ میل کی ایک جھیل ہے جس کے قریب چند میل
[illegible]
ہے۔ تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں جس طرح بیسان میں جمع ہو گئیں۔ اور مسلمانوں سے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتاً نہ آ پڑیں آس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابوعبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابوعبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں

دیبائے زریں کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ دربار میں جا کر بیٹھئے۔ معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک ان سے واقف تھے۔ اس سے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور ان کا باہر ٹھہرنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصہ آیا۔ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟ انہوں نے کہا کہ "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں" رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے تھوڑی دیر انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ "ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ نہیں کہنا ہے تو میں واپس جاتا ہوں" رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینا کا ملک تم سے قریب ہے فارس کا بادشاہ مر چکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ معاذ نے کہا کہ سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو، شراب پینا چھوڑ دو، سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت اور کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ **كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ** تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا، اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں۔ رومیوں نے کہا "اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔ معاذ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابوعبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔

چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہو گا اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن وہ جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا درحقیقت تمہی سردار ہو؟

ابو عبیدہ نے کہا! "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھا۔ ابو عبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "ثابت قدم رہو خدا تمہارا یار و مددگار ہے"۔

ابو عبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کو روکا اور سخت کشت و خون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج آئی۔ خالد نے میسرہ بن مسروق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابل ہوئے۔ تیسرا لشکر بڑے ساز و سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سوار اس کا سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر ذرا ٹھہر گیا۔ اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور بقیہ دونوں فوجیں بھی آ کر مل گئیں دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے سردار کا لڑنا بیکار سمجھا اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتاً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو ہٹاتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے چنانچہ اسی وقت

[illegible]

نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا۔ فوج ساز و سامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے سوار خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں دیئے گئے فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سرے سے اس سرے تک کا ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرین

یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے"۔

رومیوں نے جو تقریباً ۸۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں اسی ترتیب سے یہ لوگ بجائے مسلمانوں کی طرف بڑھے خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے پہلو دے کر میسرہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سواری سوار تھے قدر انداز نہ تھے۔ رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا "خدا کی قسم جب تک اس قلب میں پہنچ کر گاڑ نہ دوں گا۔ پھر نہ لوٹوں گا" یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بڑھتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیروں کی زد سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آ گئی۔ کئی گھنٹے برابر لڑائی رہی۔ اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

[illegible]

جواب میں لکھا کہ "رعایا کی آزادی قائم رہے اور زمینیں بدستور انہی کے قبضے میں چھوڑ دی جائیں۔"

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے، اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

حمص ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو ایمیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس کی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جس کی زیارت کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بعلبک پڑتا تھا وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے میسرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ ادھر رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرحبیل حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر جب حمص کی طرف بڑھے شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے ان کو تنہا دیکھ کر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی جرأت و دلیری سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا چھپے۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور دلیری اور چستی کی داد دے کر زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد نے اور ابوعبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرے کے سامان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی اور رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ ٹک سکیں

گے۔ اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آ پہنچا تھا کہ بہت جلد امدادی فوج بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ ہوئی۔ لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے، یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا۔ اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابوعبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیزر، اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی۔ ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر قسطنطین کے عہد میں اس کو لاڈاٹا کہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی۔ یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیبی خیال کیا۔ اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمان اسی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعۃً حملہ کیا۔ اور دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابوعبیدہ نے خاص ہرقل کے پایہ تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں۔ لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق آ گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک ۵ رجب ۱۵ ہجری (۶۳۶ء)

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ "عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، ساز و سامان میں کم

۱ کامل ابن الاثیر ۲ یہ ایک قدیم شہر ہے حمص اور قنسرین کے درمیان میں واقع ہے

ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟" اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزے رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اقرار کی پابندی نہیں کرتے اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ تہیہ کیا کہ شاہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ جزیرہ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں۔ ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقامات فتح کئے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے۔ چنانچہ اس کے صلے میں خدا نے ہمیشہ تم کو منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس ساز و سامان سے تمہارے مقابلے کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ "میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں۔ اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔" شرحبیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہئے۔ یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ

کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرحبیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابوعبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو۔ اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا تورات کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ ابوعبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔[1]

[1] [illegible]

غرض ابوعبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو کسی قدر تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہو گا۔ ابوعبیدہ کو جواب لکھا کہ میں مدد کے لئے سعید بن ابی عامر کو بھیجتا ہوں۔ لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ادھر دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو

[illegible]

جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثناء میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے" ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصد یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو میں وہیں آ کر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آ کر ملے، یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی۔ اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ادھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا۔ اور لکھا کہ "رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہیں۔ اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راستے گزرتی ہے راہب اور خانقاہ نشین جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں"۔ خط پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لئے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں۔ خدانخواستہ ان کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" مہاجر و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہم کو ساتھ لے کر چل، لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں؟ اس نے کہا کہ یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے" ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا

اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا۔

ان عمر یقرئک السلام و یقول لکم یا اھل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیھم شد اللیوث ولیکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد علمنا انکم علیھم منصورون۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں۔ خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی۔ اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کئے ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسرہ بن مسروق، عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے۔ اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی۔ اور چوبیس صفیں تھیں جن کے آگے آگے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے۔ فوجیں بالکل مقابل آ گئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحی فی حجالھا　　الست یوم الحرب من ابطالھا

"پردہ نشین عورتوں سے پوچھ دیکھ کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا"

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا کہ ان کا وار چل گیا۔ تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا "شگون اچھا ہوا اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے" عیسائیوں نے خالد کے مرکب الشہوں کے مقابلے میں جو عبدالعزیز متعین کی تھی۔ تیس سے شکست کھائی اس حد میں تک وقت پہنچ کر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ "کسی معزز افسر کو ہمارے پاس

[illegible] ہم [illegible] سے صلح کے متعلق گفتگو کرنے آئے ہیں"۔ ابو عبیدہ نے [illegible] قاصد

[illegible] پیغام [illegible] تھا اس [illegible] وقت پہنچا شام ہو چلی تھی [illegible] کے بعد

مغرب کی نماز شروع ہوئی [illegible] شوق سے تکبیر کہہ کر [illegible] ہوئے اور [illegible]

سکون و وقار، ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و تعجب

کی نگاہ سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا [illegible] نماز ہو چکی تو اس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کئے

ان میں ایک یہ تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں

پڑھیں۔

يا اهل الكتب لا تغلوا في دينكم ولا تقولوا على الله الا الحق

انما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله كلمته القاها الى مريم

[illegible] لن يستنكف المسيح ان يكون عبدالله ولا الملئكة

المقربون

مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا تو جارج پکار اٹھا کہ "بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور

بے شبہ تمہارا پیغمبر سچا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے

پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد

عہدی کا گمان [illegible] مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن [illegible] خالد [illegible] گئے [illegible]

شوکت [illegible] پہنچے [illegible] تمام [illegible] راستے [illegible] دونوں جانب سواروں کی

صفیں قائم کی تھیں [illegible] پاؤں تک [illegible] میں غرق تھے لیکن خالد [illegible] بے پروائی اور

تحقیر کی نگاہ سے ان [illegible] جاتے تھے "جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے"۔

باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا اور [illegible]

بٹھایا۔ مترجم [illegible] گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے

طریقے پر تقریر شروع کی حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور [illegible]

بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا [illegible] نہ کر چکا تھا کہ خالد نے

[illegible] بادشاہ ایسا ہی ہوگا [illegible]

[illegible] بادشاہی کا خیال [illegible] ہم [illegible]

[illegible] تقریر شروع کی اور اپنے حالات [illegible] اہل عرب [illegible] قوم [illegible]

ہمارے ملک میں آکر آباد ہو گئے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال

تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن خلاف توقع ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور

چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ تم کو معلوم نہیں [illegible] قوموں نے بارہا ایسے

ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم

وحشی اور بے سروسامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے ہم اس پر بھی درگذر کرتے ہیں بلکہ اگر

تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسر کو ہزار ہزار اور عام

سپاہیوں کو سو سو دینار دیئے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا "بے شبہ تم دولت

مند ہو مالدار ہو صاحب حکومت ہو تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی

ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا

اثر یہ ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے

ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگ دست اور خانہ بدوش تھے ہمارے ظلم و جہالت کا یہ

حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہو جاتے تھے بہت سے

خدا بنا رکھے تھے اور ان کو پوجتے تھے اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور ان کی عبادت کرتے

تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب

سے زیادہ شریف زیادہ فیاض زیادہ پاک خو تھا اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی

شریک نہیں وہ بیوی اولاد نہیں رکھتا وہ بالکل یگانہ ہے اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا

کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا

بھائی ہے جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں [illegible]

دونوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے"۔

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر

کے کہا کہ "یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں"۔ غرض کوئی معاملہ طے

نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے

بعد رومی پھر کبھی نہ سنبھل سکے خالد کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا

اور [illegible] کہا اہل عرب کا دعویٰ [illegible] تم [illegible]

محفوظ نہیں رہ سکتے تم کو ان کی غلامی منظور ہے تمام سرداروں نے جوش سے کہا [illegible]

جائیں گے کہ یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی"۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اس قدر صفیں قائم کیں۔ بیچ میں قلب فوج ابوعبیدہ کو دیا۔ میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرحبیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کئے تھے وہ لوگ تھے جو دلیری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطیب جو اپنی زور تقریر سے لوگوں میں ہل چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پر جوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں۔ انہی میں ابو سفیان بھی تھے، وہ فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے

الا انكم ذادة العرب وانصار الاسلام وانهم ذادة الروم وانصار الشرك اللهم ان هذا يوم من ايامك اللهم انزل نصرك على عبادك.

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے

ايها الناس غضوا ابصاركم واشرعوا الرماح والزموا مراكزكم فاذا حمل عدوكم فامهلوهم حتى اذا ركبوا اطراف الاسنة فثبوا الى وجوههم وثوب الاسد.

"یعنی نگاہیں نیچی رکھو، برچھیاں تان لو، اپنی جگہ پر جمے رہو، پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آ جائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔"

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن تمام عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان، خولان، لخم، جذام وغیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھی تھیں، تو

پکارتی تھیں عضدوا الغلفان بسیوفکم۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جس میں جہاد کی ترغیب ہے) کی تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔ جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ ٹڈی دل لشکر ایک ساتھ بڑھا۔ ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار نکلا اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے۔ خالد نے جھلا کر کہا "چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لیں"۔

ان عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ پیچھے ہٹتے حرم کے خیموں تک گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ "نامرادو ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے"۔ خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا هاربا عن نسوة تقیات   رمیت بالسهم وبالمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں، لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے نے کہا "ہاں یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں" غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانچ سو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر ہاتھ بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے حرف نہ آئے۔

آئے۔ تو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کو پیچھے لگا کر قلب و لشکر صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں الٹ گئیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے۔ گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے" یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا "موت پر کون بیعت کرتا ہے؟" چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے زانو پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمر کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔" (تاریخ طبری واقعہ ۱۵ھ)

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے۔ لیکن رومیوں کے بہت سے آدمی برباد کر دیے خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور خالد ان کو دباتے ہوئے سپہ سالار دربخار تک پہنچ گئے۔ دربخار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اس وقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتل گرم تھا ابن قباطیہ نے جو میسرہ پر تھا حملہ کیا۔ بدقسمتی سے اس حصے میں اکثر لخم و غسان کے قبیلے کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرحبیل بن حسنہ داد شجاعت دے رہے تھے قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آیا تھا نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں

۱؎ رومیوں کے حملہ کا سہارا تھا۔

لا کر دے دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے" سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرایا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے اتفاق سے ان کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف نکلے بیٹے کو دیکھ کر کہا "جان پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے" شرحبیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت

ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج سنبھل گئی اور شرحبیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو بڑھتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوئیں۔ اور چلا کر کہتی تھیں کہ "میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔"

لڑائی کے دونوں پلے اب تک برابر تھے[1] بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا دفعتہً قیس بن ہبیرہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سواروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں، ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کر دیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آگئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں سے نالہ بھر گیا۔ اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔

۱؎ یہ فقرہ فتوح البلدان میں صراحتاً مذکور ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ہاتھ ملتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے کسی کا ایک شعر ہے۔

ومنا الذی ... ومنا الذی یاوی الی الحی حاجباً

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جس میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاص، ابان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی اسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا "الوداع اے شام"۔

ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح نامہ اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جس میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی راتوں سے سوئے نہ تھے۔ یہاں کی خبر پہنچی تو فوراً سجدہ میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آباد تھا۔ یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوا لی تھیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے ہم قومی کے لحاظ سے ان کو اسلام کی ترغیب دی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ دو چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انہوں نے بھی بڑی خوشی سے اسلام قبول کیا۔ قنسرین کی فتح کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر کے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں سے جزیہ منظور کیا۔ اور ان کی جان و مال، شہر پناہ، مکانات، قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے جو قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔ رومیوں اور عیسائیوں نے یہاں

جگہ پناہ لی تھی۔ ابوعبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آ کر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا، جومہ، سرمین، تیزین، قورس، تل عزاز، دلوک، رعبان یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوئے کہ جن کا ایک فقرہ بھی لکھنا نہیں پڑتا۔ اسی طرح بالس اور قاصرین بھی بغیر مزاحمت فتح ہو گئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے اس لئے ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی۔ یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ، ایاد، رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا۔ اور بڑا معرکہ ہوا۔ بہت سے قتل ہوئے۔ خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس ۱۶ ہجری (۶۳۷ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آ جاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے۔ اس وقت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے۔ چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی۔ اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا

۱ فتوح البلدان صفحہ [illegible]

جائے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست کو رد کر دیں تو ان کو اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں، بغیر شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں کیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کئے اور رجب ۱۶ ہجری میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہو گا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا، کس سروسامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرا اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجر و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آ کر ان سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس وضع سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کی چکنی اور پر تکلف قبائیں تھیں۔ اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ "قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں" (یعنی سپہ گری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے اور شاندار مکانات سامنے تھے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کم ترکوا من جنت و عیون۔ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

---

1. یہ طبری کی روایت ہے۔ 2. فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸ 3. طبری صفحہ ۲۴۰۳

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ رئیسانِ شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے جو گھوڑے اڑائے چلے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کیا ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں۔ غرض معاہدہ صلح لکھا گیا جس پر معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ [1]

1. طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا [illegible] معاہدہ [illegible] اسلام نے اس کتاب کے [illegible] حصہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے تو کلیلیں کرنے لگا۔ فرمایا "کم بخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی" یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔" غرض اسی حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھر کر دیکھتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام رہا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رسول اللہ کے مؤذن) نے شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسروں کی طرف

دیکھا انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور گھی ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرندہ کا گوشت اور میوہ ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ سپاہی کو کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آ گیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہچکی لگ گئی۔ دیر تک سب پر اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب بن احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیائے سابقین کی یادگار ہے۔ اس کو صخرہ کہتے ہیں۔ اور یہودی اس کی ویسی ہی تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ "صخرہ کی طرف" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اتار دی" اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا، ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصے کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش

۱۷ ہجری (۶۳۸ء)

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ فتح ایران اور روم کی مہم جن اسباب سے پیش آئی ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود بڑھتے جاتے تھے ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔

چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف بڑھے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر معرکہ جمایا۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہروقت تیار رہتے تھے کہ کوئی ناگہانی موقع پیش آ جائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابوعبیدہ کا خط پہنچا تو ہر طرف سے قاصد دوڑائے۔ قعقاع بن عمرو کو جو عراق میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو حکم دیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیرہ والوں نے جب یہ سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں نے قدم رکھے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم عین وقت پر موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہلا بھیجا کہ "افسر اعلیٰ دوسرے شخص (ابوعبیدہ) کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ" ادھر فوج نے ابوعبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا "میری جو رائے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے" اس پر بھی ابوعبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور موثر تقریر کی کہ "مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔" فوج پہلے ہی سے حملہ کے لئے بے قرار تھی ابوعبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا۔ اور دفعتاً سب نے ہتھیار سنبھال

لے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلب میں اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عباس میمنہ و میسرہ کو لے کر بڑھے۔ قعقاع نے جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آئے تھے۔ حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابوعبیدہ سے آملے مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ادھر کے ساتھ پیچھے ہٹے ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک ان کے قدم نہ تھمے یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد [redacted] کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) کے واقعات میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں آیا۔ ۱۳ ہجری کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ ہجری کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے۔ اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں۔ اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی یہ خود مختاری کب پسند ہو سکتی تھی۔ اور روپیہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بے دریغ کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب پیش بھیجتے رہو۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن جریر نے

کتاب الاصابہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں تفصیل سے لکھا ہے۔

بایں ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا۔ بلکہ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمع عام میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "یہ انعام تم نے کہاں سے دیا"۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے۔ لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کے سرتابی کی سزا کے لئے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جاتا ہے۔ اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ "امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا۔ اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا"۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ "اے سردار چپ رہو ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے"۔ خالد نے کہا "ہاں! لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کیا احتمال ہے"۔

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں ناانصافی کرتے ہو"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی"۔ خالد نے کہا کہ "مال غنیمت سے" اور یہ کہہ کر کہا کہ "ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے

۱۔ [illegible]

ہے۔" چنانچہ بیس ہزار روپے برآمد ہوئے اور بیت المال میں داخل کر دیے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "خالد واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں" یہ کہہ کر تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ لوگ ان سے متاثر ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"۔ ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص باآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸ ہجری (۶۳۹ء)

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۸ ہجری کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے۔ سرغ پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مشیخہ نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کوچ کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور غصے میں آ کر کہا **افرارا من قدر اللہ** یعنی اے عمر! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

نفر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں۔ مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی ہی کی طرف ہوں۔

غرض مدینہ واپس چلے آئے اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کام ہے کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔ جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا۔ اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور چونکہ نماز کا وقت آ پہنچا تھا۔ حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وبا اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا ان بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ معاذ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا نہایت استقلال کے ساتھ کہا۔ **یا بنی الحق من ربک ولا تکونن من الممترین** یعنی اے فرزند یہ خدا کی طرف سے حق ہے دیکھ شبہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا **ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین** یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے یہ کہہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفن کر کے آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی لقمۂ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھتے رہے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے۔ اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے پسند نہ آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو تمام دنیا فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ ان میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، عتبہ بن سہیل بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور

مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رک گیا۔ فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے ملک میں گرفتار تھی، ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ آئے اور یہاں دو روز قیام کیا گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کرتہ پہن لیا۔ اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق گئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ وبا میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو آسامیاں خالی ہوئی تھیں ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے۔ ان باتوں کی دوسری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا۔ اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کئے چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

قیساریہ کی فتح شوال ۱۹ھ ہجری (۶۴۰ء)

قیساریہ[1] شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے۔ لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے اس

[1] بلاذری

شہر پر اول اول ۱۳ھ ہجری (۶۳۴ء) میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابوعبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ سترہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۸ھ ہجری (۶۳۹ء) میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے گئے اور وہیں وفات پائی، امیر معاویہ نے بڑے ساز و سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے۔ لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر فتح نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سرنگ کا نشان بتایا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اسی کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اس کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

جزیرہ ۱۹ھ ہجری (۶۳۷ء)

مدائن کی فتح سے دفعتہً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب ان کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اس لئے افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل، میمنہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات بن حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعتم پانچ ہزار کی جمعیت سے تکریت کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا چالیس دن تک محاصرہ رہا اور چوبیس حملے ہوئے چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے خفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ

[1] [illegible]

[2] [illegible]

تمام عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے مل جائیں گے۔ یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا کیا گیا۔ عجمی مقابلہ کو نکلے تو تغلبیوں کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے حصے میں آ گیا تھا اس لئے مؤرخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ ۱۷ھ ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا آباد کردہ مقام تھا ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں ان کے نام یہ ہیں۔ رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمیساط، سروج، قرقیسیا، زوزان، عین الوردہ۔

۱ خوزستان

۱۶ھ (۶۳۷ء) ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں قطعی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) کے شروع میں اہواز پر جس کو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ یہیں رک گئے۔ ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) میں جب معزول ہوئے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور اعلانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ اشعری نے لشکر کشی کی اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے جی کھول کر ابو موسیٰ سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بن کر تقسیم کئے گئے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی

۱۔ خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں [illegible] شہر ہیں سب سے مشہور اہواز ہے جو نقشہ میں درج کیا گیا ہے۔

تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا۔ اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا تھا اور اس کو امن دے دیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ اشعری نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا۔ اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزدگرد اس وقت قم میں مقیم تھا۔ اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت کا سردار تھا یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دے دیے جائیں تو عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک سکوں۔ یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارتیں اور فوجی چھاؤنیاں یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے تیار کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت اعظم فراہم ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن عظیم سے جو ساز و سامان کیا تھا اس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ آدھی فوج کو عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ اُدھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لے کر جلولا سے چلا۔ ابو موسیٰ نے اس ساز و سامان سے شوستر کا رخ کیا۔ اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ براء بن مالک کو دیا (یہ حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی) کے بھائی تھے۔ میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے ادھر ہرمزان ساحت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے، ساتھ ہی مجزاۃ بن ثور نے جو میسرہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول ہوئے اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابوموسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اگر میرے جان مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں گا۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا۔ اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانے کی راہ سے داخل ہوا۔ اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارت کی سیر کرائی۔ اور موقع کے نشیب و فراز دکھائے۔ ابوموسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابوموسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے اور پہرہ داروں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ ادھر ابوموسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں۔ اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اترتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ہو۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام ارکان رکاب میں تھے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب تن کی۔ شاہان عجم کے طریقے کے موافق

زرّیں پٹکا کمر سے، مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیرالمومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سازوسامان کا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے۔ جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں۔"[1] اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے اس وقت تک ترجمان کوئی نہیں تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اس لئے انہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ "از کدام ارضی"[2] پھر اور باتیں شروع ہو گئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ صلح کی تھی۔ اور ہمیشہ اقرار سے پھر جاتا تھا۔ شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خوش ہوئے اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی ساپور پر حملہ ہوا۔ جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک

۱ [illegible] ۲ [illegible]

محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا ہے؟ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ "ایک غلام کی خود اپنی حجت نہیں ہو سکتی"۔ شہر والے کہتے تھے کہ "ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔" آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ "مسلمان غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے"۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

عراق عجم[1] ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)

جلولاء کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزدگرد رے چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بے وفائی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر مرو میں اقامت کی۔ آتش پرستی ساتھ تھی اس کے لئے آتش کدہ تیار کرایا۔ اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہرمزان جو سلطنت کا دست و بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت غیظ میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ جلال و رعب داب باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعۃً نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی آمد کی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے۔ اس سے دفعتہً طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ ٹڈی دل لشکر قم میں آ کر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو (جو ہرمز کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کاویانی (جس کو مجوسی ظفر کا پھل سمجھتے تھے) مبارک فال

[1] عرب میں عراق دو ہیں۔ ایک وہ جس کو عراق عرب کہتے ہیں اور [illegible] عراق عجم کہتے ہیں [illegible] خوزستان [illegible] اس وقت [illegible] اصفہان، ہمدان [illegible] ہے۔

کے لفظ سے نکلا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار کا خط لئے ہوئے مسجد نبوی میں گئے اور سب کو سنا کے کہا کہ "گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟" طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ "امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجا لائیں"۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے اٹھیں۔ کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رخ کیا جائے"۔ حضرت عثمان کی رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ بولے کہ "شام اور بصرے سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ جائیں۔ اور شام اور یمن بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری رائے بھی یہی تھی۔ لیکن تنہا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم پر سالار بن کر کون جائے۔ لوگ ہر طرف خیال دوڑا رہے تھے۔ لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور خدمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کا انتخاب کیا۔ اور سب نے اس کی تائید کی۔ نعمان تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ جن میں سے حذیفہ بن الیمان، عبد اللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے ۹ میل ادھر اسپیدہان ایک

مقام تھا۔ وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک جنگی تدبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے۔ سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے بیش بہا زرق برق کی قبائیں، سر پر تاج، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم کیں۔ جن کی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا کہ اہل عرب سب سے بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک قوم ہو سکتی ہے تم ہو۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں لتھڑیں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔" مغیرہ نے کہا "ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل تھے۔ لیکن اس ملک میں آ کر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا۔ اور یہ مزہ ہم اس وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔" غرض سفارت بے حاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیں۔ قعقاع کو مقدمہ پر مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع تھے۔ ادھر میمنہ پر زردق اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلے پر ٹھہریں اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر فوجیں تیار رکھی تھیں۔ موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ عجمی جوں ہی زد پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی تیر برسا رہے تھے اس سے سینکڑوں مسلمان کام آئے۔ لیکن افسری یہ اطاعت تھی کہ زخم

کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرے پر فوج ساز و سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعتاً حملہ کیا۔ اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے۔ ان کا امتیازی لباس جس سے معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے۔ نعیم بن مقرن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جذبہ و استقلال دیا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے لوگوں کو کہہ دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے۔ اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا ان کا حکم یاد آ گیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ "خدا کا شکر ادا کر کے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دو"۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا اس کا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک خزانہ بتا دوں۔ چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کئے جس کو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی دن سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر روئے اور فرمایا کہ

"عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے"۔ جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لے جاؤ۔ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں"۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑ کر مارے گئے۔ اس معرکے کے بعد عجم نے کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت لکھی تھی۔ اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

ایران پر عام لشکر کشی ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)

اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق کا البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ در حقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے"۔ لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے وہاں غدر کرا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے۔ اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں"۔

اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو، ساپور و اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو، اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو، فسا کا ساریہ بن زنیم الکنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمرو کو، مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو، آذربائیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ ہجری میں یہ

افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ ہم ان کی الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے ۲۱ ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جس کا نام استندار تھا اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہر اول پر شہر براز جاذویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جاذویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کا دعویٰ ہو، تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ عبداللہ خود مقابلے کو آئے جاذویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے جو خاص اصفہان کا صدر مقام تھا محاصرہ کیا۔ یہاں کے رئیس فاذوسفان نے پیغام بھیجا کہ دونوں طرف کی فوجیں کیوں ضائع ہوں ہم تم دو کر فیصلہ کر لیں۔ دونوں حریف میدان میں آئے فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفرین نکلی۔ اور کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبداللہ نے یہ شرط منظور کر لی اور صلح نامہ لکھ دیا۔

اسی اثناء میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرے کے سامان کئے۔ لیکن جب محاصرے میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہاردی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن دیلم نے رے اور آذربائیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا، اپنی فوج لے کر آیا دوسری طرف سے اسفندیار رستم کا بھائی چڑھا۔ واج روذ میں یہ فوجیں مقابل ہو گئیں۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے اس فتح کا پیام لے کر گئے تھے تاکہ اس دن کی تلافی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیلم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے اور ادھر کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتاً عروہ پہنچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ "شگون اچھا نہیں" بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عروہ نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم کو خط لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاوخش تھا جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا۔ اس نے دیلم، طبرستان، قومس، جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آ گئیں۔ لیکن زینبدی جس کو سیاوخش سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے ملا۔ اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور عدو کے ساتھ دفعتاً شہر فتح ہو گیا۔ نعیم نے زینبدی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربائیجان ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آذربائیجان کا علم عتبہ بن فرقد اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سد راہ ہوا وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربائیجان ابھی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربائیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربائیجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا۔ نہاوند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربائیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے باجروان، میمند، سراۃ، سبز، میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلان پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربائیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی

[illegible]

چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سوید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آ گیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے، بہت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدہ صلح میں بتصریح لکھ دیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں۔ اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہبد کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر ملک پر کچھ حق نہ ہو گا۔

آرمینیہ

بکیر جو آذربائیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربائیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جس کا نام شہر براز تھا مجوسی تھا اور سلطنت ایران کا تحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا اور کہا کہ آرمینیہ کے لوگوں سے مجھ کو ہمدردی نہیں ہے ایرانیوں کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لی جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف حفاظت کا معاوضہ ہے اس لئے یہ شرط منظور کر لی گئی اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو سلطنت خزر کا پایہ تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ "لیکن میں جب تک یں

[illegible]

کے بچانے میں بہت کچھ سعی کی۔ سکا۔ چنانچہ یہ حال ہوا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر یزدگرد نے قارن کو جمع کیا۔ ان کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں ملا دیا۔ مسلم اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان فتح کیے۔ لیکن مکمل ہو سکے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام مہمات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس ۲۳ ہجری (۶۴۳ء)

فارس پر اگرچہ اول اول ۱۷ ہجری میں حملہ ہوا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے نہ تھا اور اس وقت چنداں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہم نے اس معاملے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء بن الحضرمی ۱۷ ہجری میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے وہ بڑی ہمت اور حوصلے کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہر بات میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی۔ اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جارود بن المعلیٰ اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز سے لنگر کیا۔ اور فوجیں کنارے پر اتریں یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا وہ ایک انبوہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار سمیلی کا نام کیں کہ مسلمان جہاز تک نہ پہنچنے پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی۔ اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضے میں آ گئے تھے۔ لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ نہایت جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو للکار کر کہا مسلمانو! بے دل نہ ہو دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑتے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز یہ تھا

یہ حال ابن الاثیر میں وارد ہے [illegible] کی حد بحری گئی ہیں۔ [illegible] وقت فارس سے جدا [illegible] شکل میں [illegible] فارس مشرق میں [illegible] جنوب میں [illegible] سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔

یا آل	عبدالقیس		للنزاع
احسل	الامداد		بالجراع
وکلهم	فی	سنن	المصاع
یحسن	ضرب	القوم	بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے۔ پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر غنیم نے جہاز غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فارس کے حملے کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے علاء کو نہایت تہدید کا خط لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ان سے جا ملے۔ ادھر مجوسیوں نے ہر طرف ترتیب دے رکھی تھی اور ایک انبوہ کثیر جس کا سر لشکر شہرک تھا مقابل ہوا تھا۔ مقام طاؤس میں معرکہ ہوا۔ ابو سبرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے گئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی۔ اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ بصرہ والوں نے توج کو صدر مقام قرار دے کر یہاں چھاؤنی کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات پر پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہی ان کی شکست کا سبب تھا۔ چنانچہ سابور، اردشیر، توج، اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ ہجری میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم نے جزیرہ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ عرب بہت سے قبائل آباد کیے یہاں سے کبھی کبھی بڑھ کر سرحدی قصبوں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے اس طرح ریشہر، ارجان وغیرہ بہت سے مقامات لے لیے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا۔ اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا ریشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی ایک دستہ پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی

پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک بیٹھ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ کازرون، نوبندجان، ارجان، شیراز، سابور، جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فسا اور دارابجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

؎ کرمان ۲۳ ہجری (۶۴۴ء)

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ ہجری میں ایک فوج لے کر جس کا ہر اول نسیر بن عمرو العجلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں۔ اور بے شمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

؎ سیستان ۲۳ ہجری (۶۴۴ء)

یہ ملک عاصم بن عمرو کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ اہل سیستان سرحد پر آئے، شکست کھا کر بھاگے۔ عاصم برابر بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا صدر مقام ہے۔ محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام اراضی حمیٰ سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور اس طرح پابندی کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ راستہ بھی کھیت نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے یہ فائدہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ بڑے بڑے ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

؎ کرمان اقلیم کا نام ہے۔ یہ مشہور اور بڑا صوبہ ہے۔ شمال میں خراسان، مشرق میں سیستان، جنوب میں بحر فارس، مغرب میں فارس ہے۔ اس کا صدر مقام سیرجان ہے۔

؎ سیستان کو عرب سجستان کہتے ہیں۔ یہ مشہور اور بڑا صوبہ ہے۔ شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کرمان ہے۔ اس کا مشہور شہر زرنج ہے۔

؎ مکران ۲۳ ہجری (۶۴۴ء)

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ ہجری میں یلغار کر کے نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں۔ مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے مال غنیمت کے ساتھ چند ہاتھی بھی دارالخلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو مال غنیمت لے کر گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مکران کا حال پوچھا انہوں نے کہا ارض سهلها جبل وماؤها وشل وتمرها دقل وعدوها بطل وخيرها قليل وشرها طويل والكثير بها قليل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں تک بندی کا کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے۔ لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہندوستان میں بھی آ چکا تھا۔

؎ خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت

۲۲ ہجری (۶۴۴ء)

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں احنف بن قیس بھی تھے۔ اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے ۲۲ ہجری میں خراسان کا رخ کیا۔ طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مرو شاہجہان پر بڑھے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر مرو الروذ چلا گیا۔ اور

؎ مکران کا صوبہ سیستان سے ملا ہوا ہے اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک قرار دیتا ہے مگر طبری نے مکران ہی اخیر حد قرار دیا ہے اس لئے ہم نے بھی فتوحات فاروقی کی یہیں تک حد قرار دی ہے۔

؎ اسلام سے پہلے تمام ماوراء النہر، خوارزم، طخارستان اور سیستان کا بیشتر حصہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں۔ اس کے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا اور ابیورد وغیرہ تھے جن میں سے بعض اب افغانستان میں ہیں۔

خاقان چین اور دیگر سلاطین کو امداد کے لئے لکھے۔ احنف نے مرو شاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو رود کی طرف بڑھے یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آ گئیں۔ جس سے میمنہ و میسرہ فوج کے افسر مطرف بن الشخیر، ربعی بن عامر التمیمی، عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی، ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تمام فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کر لیا۔ مرو رود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ کاش ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا۔ تاہم احنف کے حوصلہ کی بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے۔ تاہم جواب میں یہ لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ ادھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا اس نے بڑی عزت و توقیر کی۔ اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزدگرد کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف اس وقت بیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمد سن کر مرو رود کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرو رود پہنچا۔ یزدگرد اس سے الگ ہو کر مرو شاہجہان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ شہر سے نکل کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔ ترکی صبح اور شام سامنے سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے۔ اور پہر تک ادھر سے کچھ جواب نہیں ہوتا تو واپس چلے جاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان میں گئے ادھر سے معمول کے موافق ایک طبل و علم کے ساتھ نکلا احنف نے حملہ کیا اور دیر تک مقابلہ رہا آخر احنف نے اس کو قتل کر دیا۔

ان علیٰ کل رئیس حقا   ان یخضب الصعدۃ او تندقا

قاعدہ کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں چونکہ شگون برا تھا نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیکار عجم کا جھگڑا کیوں مول لیں۔

چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزدگرد مرو شاہجہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی تو نا امید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لے کر ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اس نے نہ مانا تو بر سر مقابلہ آ گئے تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے فتح نامہ سنایا۔ اور ایک پر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔

مصر کی فتح ۲۰ ہجری (۶۴۱ء)

مصر کی فتح اگرچہ فاروقؓ کے کارناموں میں داخل ہے۔ لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اس زمانے میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہو گا۔ لیکن اس کی سرسبزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو الٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا۔ عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آ چکے ہیں۔ (مقریزی وغیرہ میں ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہو گا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لیں گے۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لے کر پڑھا اور کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچے ہو تو لوٹ جانا۔ لیکن ہم تو مصر کی حد میں آ پہنچے۔ لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے الزام کی کیا ضرورت ہے۔ علامہ بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ وہ عریش ہی میں ملا اور عریش میں ملا ہو تب بھی حرج نہیں کیونکہ عریش خود مصر میں داخل ہے۔)

عریش سے چل کر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو فرما سے چل کر بلبیس اور ام دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ فسطاط اس زمانے میں کف دست میدان تھا اور اس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے۔ اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے۔ لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آ لگتی تھیں۔ اس لحاظ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا اور محاصرہ کی

تیاریاں کیں۔ مقوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باجگزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمرو، مسلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر بنایا۔ اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے۔ اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے۔ اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے۔ زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کر لی۔ اور چند شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں تو مسلمان بھی شریک تھے۔ اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے۔ اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی محض گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربے کی چھینٹیں اڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ رومیوں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا "وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں"۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے معاہدہ صلح لکھوایا تھا۔ لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اس نے سخت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر

مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنایا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال ۲۱ ہجری میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے سد راہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں بڑا حصہ قبطی بھی تھے فسطاط کی طرف بڑھ کر مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت جوش میں آکر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرات نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں انہوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھتے ہیں۔ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کثرت فوج کے بل پر نہیں کئے۔ تمہارا بادشاہ ہرقل جس ساز و سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔ مقوقس نے کہا سچ ہے۔ "یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا۔" اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے مقوقس کو سخت برا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۲۰

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی اس لئے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ "ہم کچھ تم میں رومیوں سے الگ ہیں اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے۔" قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکے میں رومیوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی۔ فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرے میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعے سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کا دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن مخلد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے مارا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبے کا بھی خیال نہ کر کے کہا کہ "زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا۔ لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔ لڑائی کا زور اسی طرح قائم رہا آخر مسلمانوں نے اس طرح جان توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعے کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعے کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعے سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور خود مقابلے کے لئے نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہو گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک تکرار ہوتے رہے۔ آخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ "شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ

اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ سننے والوں کے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے۔ خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو ان کا ہراول کیا۔ غرض اس جوش سے قلعہ پر حملہ ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جا سکو جاؤ۔ اور امیر المومنین کو فتح کی بشارت سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی ادھر آ نکلی اور ان کو مسافرانہ وضع میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آ کر کہا چلو تم کو امیر المومنین بلاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا بھی انتظار نہ کر سکے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ **الصلوٰۃ جامعۃ** سنتے ہی تمام مدینہ امنڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے۔ وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آتے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے۔ انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں۔ فرمایا افسوس تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔ (یہ تمام تفصیل مقریزی سے ماخوذ ہے)

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کئے۔ اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کی دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ بڑا کوئی حریف میں باقی نہ تھا تاہم چونکہ مصر کے

تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی فیوم، اشمونین، اخمیم، بشرودات، صعید اور اس کے تمام مضافات میں پھیل گئے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنا، بوصیر کو فتح کیا، عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے۔ (حسن المحاضرہ صفحہ ۷۸)

چونکہ ان لڑائیوں میں بہت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دربار خلافت میں لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے، ایک جا جمع کئے عیسائی سرداروں کو طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں کے طرز معاشرت سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا اور مسلمان اس قدر ملول ہوتے تھے کہ بعضوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ جلسہ قائم رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب گئے۔ (طبری صفحہ ۲۵۸۳-۲۵۸۴)

حضرت عمرؓ کی شہادت

(۲۶ ذوالحجہ ۲۳ ہجری - ۶۴۴ عیسوی)

(کل مدت خلافت دس برس چھ مہینے چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابولولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا "تو کونسا پیشہ کرتا ہے" بولا کہ "نجاری نقاشی آہنگری" فرمایا کہ "ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے" فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز کو نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتاً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمے سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ گھر اٹھا لائے سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا" لوگوں نے کہا کہ "فیروز" فرمایا کہ "الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا" لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں شاید شفا

ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا۔ اور دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔" عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ "اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پر ترجیح دوں گی"۔ عبداللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر ہے؟ انہوں نے کہا کہ "جو آپ چاہتے تھے" فرمایا "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

اس وقت اسلام کے حق میں سب سے اہم کام تھا کہ وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کر جاتے۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کرتے تھے کہ اس امر کو آپ طے کر جائیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا۔ اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بارہا لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں خیال دوڑا رہے ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر نہیں جمتی تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا"۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی

[illegible]

کردیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارکس تفصیل مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ [illegible] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (طبری صفحہ [illegible])

فوری وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین زخم و تکلیف کی حالت میں جب تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری کی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے، مہاجرین، انصار، اعراب، اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)" پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی، چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں یہ الفاظ

عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔
حضرت عمرؓ: تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو، پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟
عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔
حضرت عمرؓ: لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا پسند نہیں کرتی تھی۔
عبداللہ بن عباسؓ: کیوں؟
حضرت عمرؓ: وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں۔ شاید تمہارا یہ خیال ہو کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا، لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے۔ [illegible]
[illegible]
حضرت عمرؓ: میں عبداللہ بن عباسؓ تمہاری نسبت بھی [illegible]
[illegible]
عبداللہ بن عباسؓ: وہ کیا باتیں ہیں؟
حضرت عمرؓ: [illegible]
عبداللہ بن عباسؓ: [illegible]
[illegible]
حضرت عمرؓ: [illegible]
عبداللہ بن عباسؓ: [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
حضرت عمرؓ: [illegible]
عبداللہ بن عباسؓ: [illegible] (دیکھو تاریخ طبری صفحہ [illegible])

ان [illegible] کے علاوہ [illegible] اس بات کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے معاصرین [illegible] حضرت عمرؓ [illegible]
[illegible]

کہ وہ یہ تھے "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے۔ یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

قوم کے کام سے فرصت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ نافع جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔ (فتح الباری جلد [illegible] صفحہ [illegible])

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا۔ جس کو امیر معاویہ نے خرید لیا۔ یہ مکان باب السلام اور باب رحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا، ایک مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ "خلاصۃ الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ" میں یہ واقعہ تفصیل مذکور ہے۔ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ [illegible])

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمن، حضرت علی، حضرت عثمان، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا۔

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتوحات پر ایک اجمالی نظر

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا۔ لیکن اصل کی داستان سننے میں تم نے اس کی پروا نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخ کی نگاہ سے دیکھا جا سکے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مؤرخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا تختہ الٹ دیا! کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے۔

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ [illegible] مربع میل تھا یعنی مکہ سے شمال کی جانب [illegible] مشرق کی جانب [illegible] جنوب کی جانب [illegible] میل تھا۔

جنوب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لیے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا حصہ آ جاتا ہے، شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں ۲۰ ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں۔ اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائدین دارالخلافہ میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادل بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی ملکی حکومت پر ساتھ نو اشخاص کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ بہت زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے زور سے اس مذہب کو دبا دیا تھا۔ لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسطوری فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ اسلام کے سایہ میں آ کر ظالموں کے ظلم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آئی۔ روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے۔ اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

یورپین مؤرخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں، لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ

طور استعمال کی طرح سازی ہے۔ جو عرب کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فن جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عمل درآمد رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی، سروسامان کی بہتات، آلات جنگ کے تنوع، فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلّم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی ادل بدل سے نظام میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ، فوج اور عامل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطوری کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مؤرخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام افواج جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود، زرہ، چلتہ، جوشن، بکتر، چار آئینہ، آہنی دستانے، آہنی موزے جو ہر ایک سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب

۱؎ ابن قتیبہ [illegible]

لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں گرز کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکے میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو تکلا سمجھ کر ہنسے۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں۔ جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے" اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ہمارے جیتے جی قیصر یہاں نہیں آ سکتا۔"

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اس لئے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ یہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لئے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پایہ تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ اور اس لئے فتح کے بعد نظم حکومت میں ان سے بہت مدد ملی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ اور دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام

قیصر کا محکوم تھا عراق میں لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے شام میں بھی ۲ کر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑتے تھے اس نے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ تیرہ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا اسی طرح قدیم باشندے جو آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اسطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور جبر سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بنا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اسی قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ مقابلہ کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور وغیرہ جو بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا" قوموں کا قتل عام ایک طرف خود دشمن کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا دشمن سے کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام پہنچائے جاتے تھے

۱۔ آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے احکام بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا

(کتاب الخراج صفحہ [illegible])

یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر ذمی ہو جاتے تھے ان سے معاہدہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے۔ تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گذر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب کسی شہر میں قیام پذیر ہوں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گذرے ہیں ان کو یہ دکھانا چاہئے کہ اس احتیاط اس قید اس پابندی اس درگذر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کا ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں وہ جوش پیدا ہوتا تھا جو آقا پر فدا ہو جانے کا جوش ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادل کی طرح تھیں ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی منظم حکومت نہیں قائم کی۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفۂ وقت کی چنداں تخصیص نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی یہ حالت تھی کہ وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوتیں ہیں۔ لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج کل کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوج کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوتے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوتے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک موقعے تین تھے ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک

میں آگ لگا دی تھی۔ اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک لشکر گراں کے پرخچے اڑا دیے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گزرا جو فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سالہ خلافت میں گو بہت بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔ یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آ چکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن ایسے موقع پر صرف اس ایک بات کا دیکھنا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا۔ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیار پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے۔ وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اسی بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام آ سکیں۔ صرف چند ارکان

سلطنت کی عقل و تدبیر کام چلتا ہے۔

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہو جاتی ہے۔

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔ چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کارناموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے اس بناء پر کسی سلطنت کی نسبت جمہوری یا شخصی کی بحث ہو تو اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس سے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں تھیں یمنی، حمیری، غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصولوں پر انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گو ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

الا لا یغرن امرأ ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة وتمت الا
وانها قد کانت کذالک ولکن اللہ وقی شرها۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے

جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آ گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے۔ تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں شامل تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۲۰۷)

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روز مرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔

ا۔ الفاروق بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳ ... [illegible]

شریک ہوئے کئی دن تک مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر کی جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم۔ ولست ارید ان تتبعوا هذا الذی هوای۔

۲۱ ہجری میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سر و سامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں۔ اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی گرانی، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اسی قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

لا خلافة الا عن مشورة (الفاروق بحوالہ کنز العمال ... [illegible])

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے

[illegible]

تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

> كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه
> ويحدثهم عما ينتهي إليه من أمر الآفاق فقال يوماً
> ما أدري كيف أصنع بالمجوس۔

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے عامل رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کیے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد، بصرہ سے حجاج بن علاط، شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

> كتب عمر بن الخطاب إلى أهل الكوفة يبعثون إليه رجلاً من
> أخيرهم وأصلحهم وإلى أهل البصرة كذلك وإلى أهل الشام
> كذلك قال فبعث إليه أهل الكوفة عثمان بن فرقد وبعث إليه
> أهل الشام معن بن يزيد وبعث إليه أهل البصرة الحجاج بن
> علاط كلهم سلميون قال فاستعمل كل واحد منهم على
> خراج أرضه (کتاب الخراج صفحہ ۶۳)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور فوج والی تھے اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا افسر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب

لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور داد رسی چاہی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ عاملوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عاملان حکومت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا چنانچہ اس کی پوری تفصیل عاملوں کے بیان میں آئے گی۔

خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ اس کے اختیارات محدود ہوں۔ ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

> إنما أنا ومالكم كولي اليتيم إن استغنيت استعففت وإن
> افتقرت أكلت بالمعروف لكم علي أيها الناس خصال أذكرها
> لكم فخذوني بها لكم علي أن لا أجتبي شيئاً من خراجكم ولا مما أفاء الله
> عليكم إلا من وجهه ولكم علي إذا وقع في يدي أن لا يخرج
> مني إلا في حقه ولكم علي أن أزيد في عطاياكم وأسد ثغوركم

ولکم علی الا القیکم الی المہالک (کتاب الخراج صفحہ ۷۰)

"مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے جمع نہ کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔ ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔"

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ **اتق اللّٰہ یا عمر** یعنی "اے عمر خدا سے ڈر"۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔ ان باتوں سے اندازہ ہو گا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور وہاں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی سفارشت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت شوریٰ کی اصل تصویر ہے اور حکومت شوریٰ کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی و تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مملکت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایک ہی شخص تمام صیغوں کے فرائض کا کفیل ہوتا ہے پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے مختلف صیغے الگ الگ قائم ہوتے جاتے ہیں، لکھنے پڑھنے اور ... سے جدا ہو ... جاتے ہیں کی حالت بالکل مختلف

کی ہے کہ ابتدائے تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں جو شخص صوبہ کا افسر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے، جرائم کی تحقیق میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو سو برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ریونیو کے اختیارات اب تک ملے جلے ہیں۔ جو حاکم ضلع مالگزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے اور فوجداری کی اصلاح کی تو ابھی بحث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت کا تمدن بالکل ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو تمدن کے لحاظ سے الگ ہونے چاہییں الگ الگ قائم کیے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع عہدیداران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ، ضلع، پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتدا کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزوں و مناسب طور سے اس کے حدود قائم کیے۔ تمام مؤرخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مفتوحہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ مؤرخ یعقوبی نے ۸ گورنر یا صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ ہجری میں کیا تھا۔ مؤرخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جس کی تفصیل تاریخی معلومات سے ہو سکتی ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی مستقل صوبے کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی وہ اور جو مقامات صوبے

ضلعے تھے اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح رہنے دیئے تھے۔ ان کا نام کہیں نہیں ملتا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کئے ان کا صوبہ تھا اور وہ کل ۸ تھے لیکن یہ امر بھی لحاظ کے قابل ہے کہ بعض تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی ترمیمیں کی تھیں۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا اور اس میں جو ضلعے شامل تھے وہ بجز ان کے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلسطین فتح کیا تو اس صوبے کو دو حصے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور دونوں میں علیحدہ علیحدہ دو حاکم الگ الگ۔ دونوں صوبوں میں متعین کیے۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اسلام سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور نشیبی حصہ میں ۱۵ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے اس لئے صرف یہ بتانا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

مؤرخ یعقوبی (تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۲ جلد اول) نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان : اس میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔

نیشاپور، ہرات، مرو، مروروذ، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، بادغیس، باورد، غرجستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربائیجان : اس میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔

طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسبذان، مہرجان قذق، شہرزور، سامغان، آذربائیجان۔

[illegible]

فارس : اس میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔

اصطخر، شیراز، نوبندجان، جور، کازرون، فسا، دارابجرد، اردشیر خرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہرتیری، مناذر، تستر، ایذج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں میں حسب ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتب دیوان تھے۔ ہر صوبہ میں ایک ایک فوجی افسر ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبہ کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیئے جن میں ایک قرظہ بن کعب بھی تھے۔ (اسد الغابہ تذکرہ قرظہ)

میر منشی کا عہدہ بھی نہایت ممتاز تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرے کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ لڑکا قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب کو اپنے علم کے پیچھے لے چلتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داران کا انتخاب اور ان کی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی قیاس کر سکتا ہے اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو۔ لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل، لائق، راستباز اور

۱ طبری صفحہ ۲۶۴۵ [illegible]

حسن تدبیر سے عمل اور ان سے سیاست بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے تو ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جس تحدری اور تدبیر و سیاست سے کام لیا انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے بڑے سے بڑے ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جوہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بہتر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے۔ جن کو داہیۃ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائے۔ زیاد ان کے زمانے میں شائستہ سال نوجوان تھا اس نے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں۔ اہل عرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد شجاعت میں ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی مہمات پر مامور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔۱ عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے جرأت کی اور اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا۔ اور جیسا کہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔

[illegible] عظیم الشان معرکے کے لئے مجلس شوریٰ کا خاص اجلاس ہوا اور حضرت

[illegible]

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے بالاتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔" عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ تاہم قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام نہ چل سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو سلطنت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی بالاداری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا"۔۱ حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ "ہم آپ کو مدد دیں گے" لیکن اس وقت کل انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقویٰ کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "آپ عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں؟" ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔" غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی رائے اور مشورت سے سیاست دان اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

عہدیداروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے سے ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبہ جات کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۵ اصل عبارت یہ ہے [illegible] عمر بن الخطاب [illegible] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۳۔

ابن کعب ذکوان کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقد، معن بن یزید، عتبہ بن فرقد اسی قاعدے سے عراق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو بے وقری کے خلاف سمجھتے تھے۔ جس طرح کسی طرح آجکل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کا معاوضہ لیں اور مشاہرہ مقرر کریں تو اس کو سخت ناگوار ہو گا۔ لیکن خود جاز کے نام سے جو وظیفے ملتی ہیں ان سے ان کو انکار نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر چونکہ اصول انتظام کے خلاف تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک دفعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے تنخواہ لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن حزام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وظیفہ و خدمت کا معاوضہ قبول نہ کیا۔

(کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے۔ چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الا واني لم استعملكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم ائمة الهدى

[illegible]

يهتدى بكم فادروا على المسلمين حقوقهم ولا تضربوهم فتذلوهم ولا تحمدوهم فتفتنوهم ولا تغلقوا الابواب دونهم فياكل قويهم ضعيفهم ولا تستاثروا عليهم فتظلموهم

"یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو ان کو زد و کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں۔ ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔"

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے ایک بڑے گروہ کے سامنے اس کا فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے یہ مقصود تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا تھا اس کی لیاقت اور قابلیت کا اعلان ہو جائے۔

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں۔ اور مجمع عام میں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔

[illegible]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔

ابلغ امیر المومنین رسالة
فانت امین اللّٰہ فی المال والامر
فلا تدعن اهل الرساتیق والقری
یسیغون مال اللّٰہ فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه
وارسل الی جزء وارسل الی بشر
ولا تنسین النافعین کلیهما
ولا ابن غلاب من سراة بنی نصر
وما عاصم منها بصفر عیابه
وذاک الذی فی السوق مولی بنی بدر
وسهلا لسل المال وابن محرش
فقد کان فی اهل الرساتیق ذاکر
نؤوب اذا آبوا ونغزو اذا غزوا
فانی لهم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارة
من المسک راحت فی مفارقهم تجری

زمانۂ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں۔ حج کی تقریب سے چونکہ تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر اعلان کرتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو تو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ "صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے

[illegible]

ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو مار پیٹیں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا انتقام لوں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ "اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے کا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق کو نہ روکو ورنہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے۔ ایک شخص اٹھا اور کہا کہ "آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔" عمرو بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

(کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

عاملوں کی تحقیقات

والیان ملک کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا۔ جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا۔ جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہی تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔ اور موقع پر جا کر جامع عام میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ ۲۱ ہجری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

۱ اسد الغابہ [illegible] وکان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شکی الیه عامل ارسل محمدا یکشف الحال [illegible] مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

عنہ کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہاوند کے قریب آ پہنچے تھے مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ حالت تنگ اور پر خطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا اظہار لیا۔ (اس کی پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۰۳۰ و ۲۰۳۱ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ)

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات خود عامل کو مدینہ بلا کر بلا واسطہ تحقیقات کرتے تھے اور اکثر یہ اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معتبر افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حضور میں بلا کر تحقیقات کیں الزامات یہ تھے۔

(۱) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسیران جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں۔

(۲) ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔

(۳) کاروبار حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔

تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا۔ تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب

نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان سے چھین لی گئی۔ (طبری صفحہ ۲۷۰۹ و ۲۷۱۰)

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عمال کے لئے چند قواعد کے مقرر کر دینے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتہ اتروا کر کمل کا کرتہ پہنایا۔ اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ۔ عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تجھ کو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا" غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اپنے لئے محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگی محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص چپکے دیکھتے رہ گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی روح پھونکنی چاہتے تھے۔ یہ اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آتے۔ عام لوگوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا

لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں بالکل مصالح سے خلاف تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں۔ عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں تک محدود تھے۔ امیر معاویہ شام میں بڑے ساز و سامان سے رہتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا کہ اکسرویۃ؟ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے۔ اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور تمام ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور سستی گراں تھا۔ تاہم تنخواہیں فی قدر مراتب بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہیں پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

(استیعاب قاضی ابن عبدالبر اور ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ [illegible])

اب ہم عمال فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیان	شام	والی	تمام خاندان میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔

امیر معاویہ	شام	والی	سیاست و مدبری میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	والی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوان	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسیٰ اشعری	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	والی	آنحضرت نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبد الحارث	مکہ معظمہ	والی	فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	مکہ معظمہ	والی	ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف	والی	آنحضرت کے بعد جو ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
یعلیٰ بن امیہ	یمن	والی	صحابہ میں سے تھے اور جاہلیت میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمی	بحرین	والی	بڑے صاحب اثر تھے آنحضرت نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	ملحقات فرات	کلکٹر [illegible]	صاحب کتاب و مساحت کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عمیر بن سعد	حمص	والی	حضرت عمر ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مدائن	والی	مشہور صحابی اور آنحضرت کے رازدار تھے۔
نافع بن عبد الحارث			بڑے شائستہ ان کے کوئی تھے۔
خالد بن حارث دہلی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرہ بن جندب	سوق الاہواز		اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدی	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو عہدہ کا ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہ	موصل	افسر [illegible]	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغۂ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام لوازمات قائم کر دیئے تھے۔ لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل مفقود تھا اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی زمین پر عشر مقرر کیا۔ جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے۔ لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب سلطنت کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ ہجری میں تمام عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں کی مردم شماری کے لئے لکھا تھا۔ سعد نے نہایت صحت کے ساتھ مردم شماری کا نقشہ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین کسان پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے عبدالرحمن بن عوف

ا۔ طبری صفحہ ۲۳۷۵ فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ و کتاب الخراج صفحہ ۱۴

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنگ ہو کر فرمایا **اللّٰھم اکفنی بلالاً** یعنی "اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، سرحدی مقاموں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیوں کر پا سکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کا جمہوری طریقہ تھا۔ یعنی ہر فیصلہ ہونے تک کثرت رائے پر ہوتا تھا اس لئے عام اجلاس ہوا۔ جس میں تمام قدماء مہاجرین و انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا کئی دن تک یہ بحث رہی۔

حضرت عمرؓ کا استدلال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفعتاً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لئے اس قاطع تھی یعنی **للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم الخ** اس آیت کے آخر میں فقرہ ہے **والذین جاؤا من بعدھم** سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ "بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے" اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

ا۔ کتاب الخراج صفحہ ۱۴

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو عمل میں رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ زمین پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیرواں تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے ضعف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا۔ اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ ریاضت کے ساتھ مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فن اس وقت تک رائج نہ تھے اس لئے فی الجملہ دقت پیش آئی۔ آخر دو شخص انتخاب کئے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان۔

افسران کا بندوبست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانفشانی کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔

عراق کا کل رقبہ

کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۳۲۰ یعنی کل ــــ مربع میل ٹھہرا۔ اور پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔

[illegible]

(۱) شاہی خاندان کی جاگیر (۲) آتش کدوں کے اوقاف (۳) لاوارثی (۴) مفروروں اور (۵) باغیوں کی جائیداد (۶) وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں۔ (۷) دریا برآمد (۸) جنگل۔ اور تمام زمینوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۷۰۰۰۰۰۰) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قابضوں کو دے دی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ	۴ درہم سالانہ
جو	"	۲ درہم سالانہ
نیشکر	"	۶ درہم سالانہ
رطبہ	"	۵ درہم سالانہ
انگور	"	۱۰ درہم سالانہ
نخلستان	"	۱۰ درہم سالانہ
کپاس	"	۵ درہم سالانہ
ترکاری	"	۳ درہم سالانہ

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیہوں فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے۔

عراق کا خراج

افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ فی جریب ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق ہوا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے زیادہ

مالکان اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ)

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔ جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ مالگزاری کی شرحیں نوشیرواں کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں۔ تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور صیغۂ زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احتیاط تھی۔

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتبر اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۳ اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر ابن الخطاب کان یجبی العراق کل سنۃ مائۃ الف الف اوقیۃ ثم یخرج الیہ عشرۃ من اہل الکوفۃ وعشرۃ من اہل البصرۃ یشہدون اربع شہادات باللہ انہ من طیب مالیس فیہ ظلم مسلم ولا معاہد)

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا کی لعنت کہ کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۱ کروڑ ۸۰ لاکھ وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی۔ بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتری زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی، رومی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا۔ جو سیزر (قیصر) نے بھی قائم رکھا اور رومن ایمپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے متعلق اصول مقرر کر دیئے تھے

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مال گزاری

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقوں سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے شرح تشخیص کی جائے۔

(۳) بندوبست چار سالہ ہو۔ (یہ تمام حالات PRVAN BRRUNO کی ایک کتاب تاریخ تمدن میں [illegible] مسلمانوں نے تمدنی حالت کو [illegible] ہیں [illegible] کتاب کے [illegible] ماخوذ ہیں)

ل [illegible]

(LAPROPRIE TE TERRITORIAL ETU]MPOT FONCIER SONSLES PREMIERS CALIFES)

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ یاد دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دونوں بار دفعتاً موقوف کر دیئے۔

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ گیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا اس کو خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے غلے کھتیوں کا بھی انتظام کیا تھا۔ لیکن یہ وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مال گزاری کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی سہولت و رحم کیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے۔ اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں سخت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم اسی بالقصد نہیں کر سکتے کہ مختلف سالوں میں اوسط کے حساب سے ان کا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مال گزاری کے وصول کا طریقہ تھا کہ جب مال گزاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عرّاف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار و حاصل کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی تھی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی۔ پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا (مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے [illegible] علامہ جوزی کی کتاب [illegible] سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے)

اس طریقے میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گو ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضی تھا۔ اور مصر میں یہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔ ان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے۔ لیکن مصر کے بعض مورخوں نے غلطی کی ہے۔ جو علامہ مقریزی سے منقول ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے بھی پہلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور تھا۔ اس لئے

عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی تھی بعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان مصری تھی تو صرف چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمان نے عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا ہے۔ تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہاں! لیکن بچے بھوکے رہ گئے"۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد پچاس لاکھ دینار تھی۔ تا مگین کے عہد میں خلیفہ المستنصر باللہ کے گورنر نے بہ مجبوری کہ لگان کی شرح ہو گئی کم کر دی۔ تاہم ۳۰ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہو سکے۔ (انتخاب خراج مصر بحوالہ مقریزی)

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلافات کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے۔ اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے تھی۔

۱۔ دیکھو مقریزی صفحہ ۷۹ جلد اول۔ ۲۔ کتاب الخراج ابن خرداذبہ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۹۔
۳۔ دیکھو یہ مضمون فان کریمر کی کتاب مسلمانوں کے قانون کا بیان۔

عراق، مصر، شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالات میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ لیکن کسی خاص رقم پر مصالحہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے۔ باقی دو قسم کی تفصیل کا پتہ نہیں لگتا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مالگذاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی کو نہایت ترقی ہوگئی، یہ تھی کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون اور بالکل جابرانہ قانون تھا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ ارکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بنا سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج، ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکل لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے۔ باشندگان ملک کے حوالے کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قطعی حکم دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان

زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن ابی حبیب نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اہل عرب جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام ملکی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے ادا کیا گیا کہ شریک غطیفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تم کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن المحاضرہ صفحہ ۷۳)

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نامور لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معتدل کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے پھیلایا مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے رومیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ رومیوں کے بدرجہا پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری

۲؎ مقریزی صفحہ ۷۸

اور زمینداری سے الگ رہے جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا۔ اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

بندوبست مالگزاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت منصفانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے حاکم کو لکھ کر عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ساتھ ہو۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو کہا اس وقت بھی بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلائے اور ان کے اظہار لئے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۲۱)

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہئے جن کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آ جائیں اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے شکایت کی

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۲۱ ۲؎ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۶

کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گذری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ اور بند بندھوائے۔

محکمۂ آبپاشی

تالاب تیار کرانے، پانی کی تقسیم کرنے کے، جاری نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جز بن معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور بیشمار نہریں تیار ہوئیں۔ جس کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی۔ یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے۔

① عرب کی زمین جس کے باشندے اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

② جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی تھی۔ مثلاً لاوارث مر گیا یا جلاوطن ہو گیا یا بغاوت کی یا اسی قسم کی وجہ سے۔

③ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا۔ اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۳۸۔ ۲؎ مقریزی صفحہ ۷۶ جلد اول۔

نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اگر وہ کسی قدیم سوتے یا کھنڈ سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر معاوضہ عشر مقرر کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۶ و ۳۷)

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی بے انصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ، حالانکہ ذمی ان محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بناء پر خاص زمین کے معاملے میں جو نسبتاً اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج، عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے حسب ذیل تھے۔

زکوٰۃ، عشور، جزیہ، مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کا کسی قسم کا جانور یا نقد روپیہ اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ یہاں تک کہ بھیڑ بکری کا اونٹ گھوڑا گائے تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں

گھوڑوں پر زکوٰۃ

پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے

مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے معاذاللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہرحال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا اور ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حربیوں سے دس فیصد ذمیوں سے پانچ فیصد مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ممالک مقبوضہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول صرف تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ اور اس کی ادائیگی کی میعاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغۂ عدالت

محکمۂ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا۔ اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضیہ کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے (اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع) بلکہ اسی بناء پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا۔ اور جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ [illegible]

[illegible]

خیال کیے جاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت سیسرو کا مشہور لیکچرار لکھتا ہے کہ یہ قانون تمام فلسفیوں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے صحیح اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بجنسہٖ ذیل میں درج ہے۔

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة آس بين الناس في وجهك ومجلسك وعدلك حتى لا ييأس الضعيف من عدلك ولا يطمع الشريف في حيفك البينة على من ادعى واليمين على من انكر والصلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا لا يمنعك قضاء قضيته بالامس راجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق الفهم الفهم فيما تلجلج في صدرك مما ليس في الكتاب والسنة اعرف الامثال والاشباه وقس الامور بذلك واجعل لمن ادعى حقا غائبا امدا ينتهي اليه فان احضر بينته اخذت له بحقه والا وجهت القضاء عليه والمسلمون عدول بعضهم على بعض الا مجلودا في حد او مجربا عليه شهادة الزور او ظنينا في ولاء او قرابة۔

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔ اور زور آور کو تمہاری رو رعایت کی امید پیدا نہ ہو جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد

چاہیے۔ (۸) [illegible] (۹) [illegible] (۱۰) [illegible]

اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہوں۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالت کی حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔
(۲) بار ثبوت مدعی پر ہے۔
۳ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔
(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔
(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔
(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیے۔
(۷) تاریخ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائے گا۔
(۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے۔ لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ عدالت کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل و انصاف ان باتوں پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔
(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔
(۳) وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں بددیانتی نہ کرنے پائیں۔
(۴) آبادی کے لحاظ سے عدالتوں کی تعداد کا کافی ہونا تاکہ مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی زیادہ ضرورت نہ تھی کیونکہ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید

موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ بحوالہ ... یہ

تمام روایتیں ... اصلی عبارت یہ ہے ... عن الشعبی ان عمر بن الخطاب

کتب الیہ ان جاءک شیء فی کتاب اللہ فاقض بہ ... فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقض بہا فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فیہ سنۃ من رسول اللہ

فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتہد برایک ثم تقدم فتقدم وان شئت ان تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الا

خیرا لک)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً دیوانِ عدالت کو مشکل اور اہم مسائل کے متعلق فتوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفاء وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ یہ لوگ تھے۔ مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے۔ بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو ان پانچ شخصوں میں ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا

۱؎ اخبار القضاۃ ... ۲؎ دیکھو اسد الغابہ ... و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔

اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔ (استیعاب قاضی ابن عبد البر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ وہی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ۱۸ ہجری میں قاضی شریح مقرر ہوئے جو اگرچہ صحابی نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر الجمحی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعہ الباہلی، عبد الرحمن بن ربیعہ، ابو قرۃ الکندی، عمران بن الحصین جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے قضاۃ ہیں ان کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا بھی اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اکثر امتحان اور ذاتی تجربے کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حق یہی ہے اور ان کو قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔ باہم تنازعہ و مسائل کی تبدیلی کے ہوتے کے لئے

۱؎ اصابہ ... کتاب اخبار القضاۃ

بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

① تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

② قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔ (اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف اور کیع)

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا ضروری لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی یہ کہ ان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی نے دعوے کے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے اور زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔[1]

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قسم کے

۱ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۰

اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و بدعنوانی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

جیسا قضاۃ اور فیصلہ اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اور باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیئہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا تھا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی زبرقان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ چونکہ شعر شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح مشتبہ نسب کی صورت میں قیافہ شناسوں کے اظہار لئے چنانچہ کنز العمال باب القضاء میں اس قسم کے متعدد مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا۔ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داد رسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا اور داد خواہوں کو دعویٰ سے باز رکھنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت

نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں سے کام لیا گیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مفلس شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

محکمۂ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کافی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو کبھی نہیں پہنچی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمۂ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ گو اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا وہ بعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے مفتی

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لئے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کرنے پائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علی، حضرت عثمان، معاذ بن جبل، عبد الرحمن بن عوف، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو ہریرہ اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ "سابق وعظ و فتویٰ موقوف بود بر رائے خلیفہ و بے امر او وعظ نمی گفتند و فتویٰ نمی دادند۔"

تاریخوں میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے۔ اس وقت گزٹ اور اخبار تو تھے نہیں لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں مقام جابیہ میں بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد ان یسئل الفرائض فلیات زیدا ومن اراد ان یسئل عن الفقہ فلیات معاذا۔

یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

---

[1] [illegible] [2] [illegible] ازالۃ الخفاء صفحہ [illegible]

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ قضاۃ کے یہاں فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مال گزاری کی خدمت دی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں۔ کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار اور افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیل خانہ کی ایجاد کا یہ قول اصل ہے احتساب کا ماخذ ہے[2]۔

جیل خانہ کی ایجاد

اس سنہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا۔ اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجوائے جاتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی

۱؎ مقریزی جلد دوم صفحہ [illegible] ۲؎ کنز العمال جلد [illegible] صفحہ [illegible]

بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

(اسد الغابہ ذکر ابو محجن ثقفی)

بیت المال یا خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا۔ اسی وقت لوگوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانہ میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جداگانہ محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر

عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے تحت مقرر کئے جن میں سے عبدالرحمن بن عبدالقاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معیقیب[1] تھے معیقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے ملکی حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری برتتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان

۱ لقب دوسی میں معیقیب ہے

فارس کی عمارت سے تیار ہوا تھا لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

(یہ تمام تفصیل تاریخ طبری واقعات ۲۱ھ میں ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روکنے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابوموسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

(فتوح البلدان ۱۱ صفحہ ۳۷۳ و ۳۷۴)

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے[1] یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

جو رقم دارالخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دارالخلافہ کے خزانے سے خاص دارالخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف دئیے مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اہتمام تھا۔

۱ [illegible] جلد ۳ صفحہ [illegible]

اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظرانداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں حسب ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارتیں، سڑکیں، پل، شفاخانے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغے سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہر ابی موسیٰ

نہر ابی موسیٰ: یہ نہر ۹ میل لمبی تھی۔ جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرے کے لوگ اہل ایجنس کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پر اثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرے کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے۔ چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل

نہر معقل: یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے: اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل۔ یہ نہر دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک معزز صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد: اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمرو کو مامور کیا انہوں نے بڑے اہتمام سے کام شروع کیا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر پہاڑ بیچ میں آ گیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر نہر کا کام پورا کیا۔ تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ ہجری میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دارالخلافہ حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہیں ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس میل پر ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعے سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر

تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبد العزیز کے عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جابجا سے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۰۵ ہجری میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

(یہ تفصیل حسن المحاضرہ [illegible] و مقریزی جلد اول [illegible] سے ماخوذ ہے)

ایک اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم اور بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضا مندی ظاہر کی۔ اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لے جایا کریں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت مل ہوئی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

حضرت عمر [illegible] نے جو عمارتیں تیار کرائیں

عمارات جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرائیں کئی قسم کی تھیں۔

(۱) مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

(۲) فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں ان کا بیان فوجی انتظامات میں آئے گا۔

(۳) ملکی۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دار الامارۃ۔ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا کوفہ و بصرہ کے دار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

(۲) دفتر۔ دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

۱؎ تقویم البلدان ابو الفداء [illegible]

(۳) خزانہ۔ بیت المال یعنی خزانے کا مکان یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا ہے۔

(۴) قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا ہے۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دار الامارۃ کی عمارت میں شامل تھا (فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷)

(۵) مہمان خانے۔ مہمان خانے یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ تھا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے **امر ان يتخذ لمن يرد من الآفاق دارا فكانوا ينزلونها۔** (فتوح البلدان صفحہ ۲۷۵) مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ ہجری میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ خرچ کیا جائے زیادہ تر قوموں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً پختہ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیں گے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

[illegible]

شام فتح کیا تو شرائط میں یہ امر بھی داخل تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] کا ذکر ہے)

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدت سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۷ ہجری میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ "و در راہ مکہ تا مدینہ [illegible] توجہ فرمود [illegible] مراعات امر فرمود [illegible] واقع [illegible] کہ پیوستہ شدہ باشد [illegible] تمام قطع مراحل میسر شد"۔

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جس جس صورت سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے۔ ان میں بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے مظہر رہے۔ عربی علوم کی بنیاد یہیں پڑی۔ فقہ کے اصلی دار العلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۴ ہجری میں عتبہ بن غزوان کو حکم دیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں فارس خلیج کے ذریعہ سے ہندوستان اور فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتادیا تھا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے۔

بصرہ

جہاں بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی اور آس پاس سبزہ اور پانی کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ عتبہ نے بصرہ کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطے کھینچ کر گھاس اور پھوس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو آباد کرنا مناسب ہو آباد کریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھے۔ ۱۷ ہجری میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ بصرہ سے دریائے دجلہ ۱۰ میل پر ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی کل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی۔ دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آئمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

کوفہ

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن

۱؎ بصرہ کی وجہ تسمیہ میں اہل عرب لکھتے ہیں کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اصل [illegible]

ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ تلاش کرنا چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پایہ تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا اہل عرب اس مقام کو خد العذراء یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہاں مختلف قسم کے پھول ہوتے تھے مثلاً اقحوان' شقائق' قیصوم' خزامی وغیرہ [illegible] تھا۔ ۱۷ ہجری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وسعت اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰ ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰ ۳۰ ہاتھ اور ۲۰ ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷ ۷ ہاتھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف بہت دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھاس پھوس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں اور جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنا دیا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نوشیروانی عمارت سے نکلوا کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ درحقیقت نوشیروانی عمارت لاوارث تھی اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عین انصاف تھا کہ کوفہ والوں کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کی جو قیمت تھی وہ ان کے جزیہ میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال بھی [illegible] شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر ہوا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزبہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم' ثقیف' ہمدان' بجیلہ' تیم اللات' تغلب' بنو اسد' نخع' کندہ' ازد' مزینہ' تمیم' محارب' اسد و عامر' بجالہ' جدیلہ و اخلاط' جہینہ' مذحج' ہوازن' وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے۔ اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی اور بھی ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے خالص عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۵۰ ہجری میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارت کے نشانات مدت دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے۔

* اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتداء یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دوئلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث اور علوم دینیہ کے بڑے بڑے ائمہ جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی' حماد' امام ابوحنیفہ' شعبی' یادگار روزگار تھے۔ [illegible] علم الحدیث [illegible] سے لئے گئے)

فسطاط

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان مکانات کو خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اس کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ کوفہ کی آبادی کے وقت افسروں کو لکھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک دریا راہ میں نہ آئے۔ چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لئے اس کو مستقر حکومت بنانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پسند نہ کیا۔ عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن قحزم، حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ سیوطی کی روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادہ، ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرا دیا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا۔ جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا اب نام ہی ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی۔ اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۶ ہزار مسجدیں، ۸ ہزار سڑکیں، ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اس کی وسعت اور

قسم کے سو سامان کی کثرت کا مقریزی نے کئی صفحوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے۔ **فسخ بغداد ومفخر الاسلام وخزانة المغرب ليس في الاسلام اكبر مجالس من جامعه ولا احسن تجملا من اهله ولا اكثر مراكب من ساحله** یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ تمام اسلام میں یہاں سے بڑھ کر کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کیے۔ ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا اتصال ہوتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزرگاہ ہے۔ یعنی کوئی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط آئے تو اس غرض سے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان لوگوں کو وہاں کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت پیش

۱؎ حسن المحاضرہ صفحہ ۳۴ و ۳۵

کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے ہی مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی۔ وہ اگرچہ وطن کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ ہجری میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۲۲ ہجری میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے۔ ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے" چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔

(جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے)

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی ہیں۔ جن کی بقیہ یادگاریں جو اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں فوجی سسٹم جہاں جہاں تک ظاہر منظم اور اصول سیاست کے مطابق تھا روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

فوجی نظام رومن ایمپائر میں

کہ ملک میں جو لوگ معمولی لحاظ کے ہوتے تھے اور سپہ گری یا سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگر یہ کبھی بغاوت پر آمادہ ہوتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ ملکی الشریعین کہلاتے تھے اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ جن لوگوں کو بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا آج تمام یورپ مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں ۱۴۴۵ تک فوج کی تنخواہ وغیرہ کچھ نہیں ہوتا تھا صرف لوٹ میں حصہ مل جاتا تھا وہی فوج پر تقسیم کیا جاتا تھا اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد ۱۴۴۵ تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے

کتاز تک اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو دس کے بجائے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا۔ نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ۱۵ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوجی نظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے۔ پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجیب چیز تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خبر بھی ہے کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ رائے ہرمزان نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے۔ دبستان، دیوان، دفتر، یہ سب ایک مادے کے الفاظ ہیں جن کا مشترک مادہ ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں۔ (دیکھو مقریزی جلد اول صفحہ ۷۷ ...)

تمام ملک کا فوج بنانا

بہر حال ۱۵ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ

قائم کرنا چاہا۔ اس باب میں ان کی سب سے مقدم اور قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ اصول نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے۔ باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعمیم نہ تھی۔ اہل قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر ایک کا نام و نسب مفصلاً درج ہو۔ ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر یہ قائم رہتی تو خلافت خود عرضی کا ایک سامان بن جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے شروع کرو۔ اور درجہ بدرجہ لوگ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کا نام نمبر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب سب لوگوں تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب سب سے دور میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ (تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ بلاذری صفحہ ۴۴۸، یعقوبی صفحہ ۱۵۳ وغیرہ سے ملا کر اور باہم مطابق کر کے لکھا ہے)

تعداد تنخواہ سالانہ	تقسیم مراتب
۵ ہزار درہم	جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے
۴ ہزار درہم	مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد

فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۴ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۶۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر لوگوں کے نام درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام (ریگولر) فوج تھی۔

۱؎ اس موقع پر ایک امر لحاظ کے قابل ہے [illegible]

[illegible]

۲؎ [illegible]

[illegible]

(۲) جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جا سکتے تھے ان کو عربی میں مُتَطَوِّعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور ان دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ ۲۰ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس حد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصلی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ ہجری میں ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی' ملکی کا حال ملکی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام جند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ' کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' مصر' دمشق' حمص' اردن' فلسطین' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے صرف عراق' مصر' جزیرہ اور شام تھے چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے اس لئے دمشق' فلسطین' حمص' اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جو لب آب ہونے سے بسایا گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ' کوفہ' یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

۱؎ ان کی تحقیقات کے لئے دیکھو [illegible] ۲۲ [illegible] وقائع سن ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اسی سال حضرت عمر نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مورخوں نے صرف فلسطین و جزیرہ موصل اور قنسرین کا نام لکھا ہے جو صریح غلطی ہے

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

فوجی بارکیں

فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط، یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے آباد کئے گئے تھے موصل میں عیسائیوں کے ہاں ایک قلعہ چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے بموجب واجبی قابل کر اس کو شہری صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

گھوڑوں کی پرداخت

ہر جگہ بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو جائے گا۔ ۱۷ ہجری میں جزیرہ والوں نے دفعتاً بغاوت کی تو اسی ذخیرہ کی بدولت فوراً ان گھوڑوں کی پرداخت اور ترتیب میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الخیل نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۹ میں ہے کان بعمر اربعۃ آلاف فرس عدۃ لکون ان کان شیء ... الکوفۃ ... بالبصرۃ ... [illegible]

[illegible]

بھی اس کو آخور شاہ جہاں کہتے تھے بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے مسلمان ہمیشہ گھوڑوں کی ترتیب میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دو دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب نسل میں ماں کی پرواہ نہیں کرتے تھے سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی اس کو دوغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے۔ (اصابہ ذکر سلمان بن ربیعہ الباہلی دیکھو)

حمص کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا ذخیرہ

رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں۔ اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ہٹنے نہ پاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

۱۷ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن ملک سے ملتی تھی۔ یعنی جو لوگ سواحل پر رہتے تھے ان سرحدوں کی دیکھ بھال میں ان کو مسالح یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق

اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات روم کے کنارے پر واقع تھے اور سواحل کہلاتے تھے یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرطوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ۔ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے ان کا مستقل پہرہ لگا۔ قلعہ بنایا اور اس کا افسر علقمہ بن مجزز کو مقرر کیا۔ مصر چونکہ فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے [illegible] فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔

(فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے [illegible] شحنها بالمقاتلة و سكنها قوما من العرب كثير كانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمين الشام)

۱۷ ہجری میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر روک تھام کی ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام ساحلی مناظر گاہوں پر پہرے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے: ان معاوية كتب الى عمر بن الخطاب بعد موت اخيه يزيد يصف حال السواحل فكتب اليه في مرمة حصونها و ترتيب المقاتلة فيها و اقامة الحرس على مناظرها و اتخاذ المواقيد لها)

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں جاڑے جاڑے موسم ربیع تک ان اضلاع میں رہتی تھیں اور ہر جماعت کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں عریفوں کے آگے [illegible] کے طور پر موسم ربیع ان اضلاع میں ہوتی تھی۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے: وكان لكل عريف نفر من المسلمين [illegible])

۲۷ ہجری میں جب ہرقل شاہ روم کی طرف سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی جانب بھی

تاریخ طبری صفحہ ۲۵۹۴۔ اصل عبارت یہ ہے [illegible] الشام [illegible] على السواحل من كل كورة۔

میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی کے مقامات کے لئے مخصوص کر دی۔ عراق میں بصرہ، کوفہ اگرچہ محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے دس ہزار سرحدی مقامات میں متعین کئے جاتے تھے تاہم ان اضلاع میں جس قدر فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں ان کو از سر نو تعمیر کرکے فوجی قوت سے مضبوط کرا دی گئیں۔ قرقیسیا اور رابوقہ میں بہت چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کرا دی گئیں۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ سرتیری، مناذر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی، سابور، مہرجانقذق یہ تمام فوجوں سے معمور ہو گئے تھے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ دس ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور جگہوں میں چھاؤنیاں جابجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی۔ اور فوجی خدمت کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا اور عرب قلیل مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے اس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی حکومت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اسی مناسبت سے کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بجائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور جب کبھی مطیع ہو جاتے تھے تو

یعقوبی صفحہ [illegible] ۲۹۹۵ [illegible]
[illegible] و كان [illegible] الاول [illegible] كل [illegible]
[illegible] کل [illegible] فتوح البلدان صفحہ [illegible] طبری صفحہ [illegible]

ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا۔ سلسلہ بیان ریاست و حکومت کا طول بہت کھینچ گیا۔

فوجی دفتر کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کا احاطہ ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی قوم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا ایک صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں، وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بے شمار گروہ کی اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند قوم تھی۔

ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی اور اس کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بنائے گئے جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذربائیجان کی مہمات میں حاضر رہنا ضروری تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے عرب سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن در حقیقت حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک معترضہ بیچ میں آ گیا تھا ہم پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجی نظام

کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔

فوج میں مجوسی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یزدگرد شاہنشاہ فارس نے دیلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جو شاہنشاہی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آ گئی۔ سعد ابن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

۱۷ ہجری میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ۱۷ ہجری میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کو جائے۔ سوس فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سواروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لئے جائیں۔ چنانچہ...... وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کے جن کے نام یہ تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرودین فی کس ڈھائی ہزار اور سو سواروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکے میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

(طبری واقعات ۱۷ ہجری ذکر فتح سوس و فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۷۲ و ۳۷۳)

باذان نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ ان کا نام بھی دفتر میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے سپاہیوں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے* یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکے کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج

* فتوح البلدان صفحہ ۳۷۶

میں بحری اور بری لڑائیوں میں تباہ کئے گئے (فتوح البلدان صفحہ ۲۱۳)

یونانی اور رومی سوار بھی فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے (مقریزی صفحہ ۲۹۸ میں ان لوگوں کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں)

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والنٹیر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کیا گیا تھا۔ صرف اسلام کی ایک سیاسی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا بھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا اصل جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوش ہم ہموار بے شکست   سگ تر ولایت تو انداز گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابتدائے انتظام فوجی صیغہ صاف صاف یہ الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت کی مصلحت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ خصوصاً شروع میں تنخواہ کی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صیغہ تعلیم کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے

لا تعط علی القرآن احداً۔

تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ اہل فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا۔ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔ اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ ہے۔ لیکن سے اول شرح جو ۲۰۰

سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دار الخلافہ سے تھا۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ اجار غلہ لیا جاتا تھا مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی۔ جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

رسد کا مستقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہراء تھا۔ چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا۔ اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی اس اجار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس عمر اجار روغن زیتون اور عمر اجار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

خوراک، کپڑا اور بھتہ

چنانچہ مؤرخ یعقوبی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل

ا۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۷۵ ... کل مبا ... ولما اختطوا جواللی العلف والطعام التي ... کانوا ... المعروف ... العیت ... فتوح البلدان صفحہ ... ۲۔ ... ۳۔ ... جری صفحہ ۲۴۳ ... لسان العرب ... فتوح البلدان صفحہ ۱۲۱ ... صفحہ ۲۸۶

وردی کے باب میں تسلیم کی جن تمام باتوں کے ساتھ بعینہٖ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں سمہ کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی۔ اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے مختلف اضلاع میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۰ اصل عبارت یہ ہے کان

لعمر بن الخطاب اربعة آلاف فرس [illegible] فاذا كان في عطاء الرجل خفة او كان محتاجا اعطاه الفرس

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بعینہٖ تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شہر محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کے کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم ہوتا تھا جس کو عرافہ کہتے تھے اور کم سے کم ۱۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے۔ تنخواہ ان کو دی جاتی تھی۔ وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں ۱۰۰ عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے بڑے بڑے نسّاب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن نمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور درجے مقرر کئے اور دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید دوسری قوموں تک کی گئی کتاب الخراج باب [illegible] میں علامہ بیہقی کی روایت ہے۔

تنخواہوں کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارگزاری کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ قادسیہ میں زہرہ، عصمہ، بشر، ختعمی وغیرہ نے بڑے بڑے جوہر کام کے تھے اس لئے ان کی تنخواہیں دو دو ہزار

طبری صفحہ ۲۴۹۶ اصل عبارت [illegible] من كل سنة [illegible] في الربيع من كل سنة [illegible]
من كل سنة [illegible] عند طلوع الشعرى في كل سنة [illegible]
[illegible] طبری صفحہ ۲۴۹۶ [illegible]

سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے جو کچھ ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اس کی کچھ انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار نقد میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں اس کی تقسیم کا نام شاتیہ اور صائفہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین عملی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ ہجری میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ وسمی الشواتی والصوائف وسمی [illegible] کل کورة۔

بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام

فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سرسبز ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول عراق میں جاری کیا گیا۔ جب مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمرو بن العاص گورنر مصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ یہ وہاں تک سیر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر فربہ کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ

بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ و بصرہ و فسطاط وغیرہ ان میں صحت کے لحاظ سے ۴۰ ہاتھ چوڑی سڑکیں اور گلیاں [illegible]

[illegible] كتب عمر الى سعد [illegible]
[illegible]

ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی حد لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور ہر ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان لشکر کی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

(دیکھو عقد الفرید جلد اول صفحہ ۔۔۔ و لسان البیان صفحہ ۔۔۔)

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ دوسرا دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک شعر پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں کہ جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی کا اثر بھی نہ پڑنے سے بچنے کے لئے سخت بندشیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اسی قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل چنداں تدور نہیں رہا کیونکہ ۱۸ ہجری میں جب مصر میں ۔۔۔ پر ۔۔۔ مقرر ہوا تو فوج ۔۔۔

کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ ان کا جبہ، قمیص، ٹوپی، پاجامہ، پیٹی، موزہ حالانکہ لوگ لبادہ پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ ہوا تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت، سررشتہ حساب، ترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔

فن جنگ میں ترقی

فنی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی افسروں کو جو احکام بھیجے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے فوجیں بے ترتیب کھڑی ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا۔ اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً میمنہ، میسرہ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے ہو کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۳ ہجری میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

---

۱ حسن المحاضرہ صفحہ ۔۔۔ ۲ طبری واقعات ۔۔۔ صفحہ ۲۳۹۳۔

۳ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب کے طریقہ جنگ پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ صف کا طریقہ ۔۔۔ سے قائم ہوا۔ لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مورخین نے تصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

فوج کے مختلف حصے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے، حسب ذیل ہیں۔

قلب	سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا
مقدمہ	قلب سے کچھ آگے فاصلہ پر ہوتا تھا
میمنہ	قلب کے داہنے ہاتھ پر رہتا تھا
میسرہ	بائیں ہاتھ پر
ساقہ	سب کے پیچھے
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال رکھتی تھی
ردء	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کرسکے
رائد	جو فوج کے لئے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی
رکبان	شتر سوار
فرسان	گھوڑ سوار
راجل	پیادے
رماۃ	تیر انداز

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، تاگا، قینچی، سوتلی، توبڑا، گاتی۔ (فتوح البلدان صفحہ [illegible])

قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا چنانچہ سب سے پہلے ۸ ہجری میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعہ سے فتح ہوئے مثلاً ۱۶ ہجری میں بہرسیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جس کو دبابہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھایا جاتا تھا اور اس کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے بہرسیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر مینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا یعنی وہ کام آج کل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت مستقل تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جو حرکت کرے گی سفر مینا کی خدمت کو مصری انجام دیں گے چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام ابتداء خلافت سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آ گئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے، یرموک کے معرکہ میں انہی جاسوسوں کی بدولت

۱؎ مقریزی [illegible]

لکھتے ہیں کہ:

وکانت تکون لعمر العیون فی جیش فکتب الیہ بما کان فی تلک الغزاۃ ویبلغہ الذی قال عتبۃ (طبری صفحہ ٢٢٠٩)

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شئی فی عملہ (طبری صفحہ ٢٥٦٩)

اس انتظام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں ان میں کسی شخص سے کسی قسم کی بے اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمرو معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغۂ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور در حقیقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا طغریٰ یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبودیت، صفائے قلب، قطع علائق، حصول و تشفی یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی رشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام تعلیم قرآن و حدیث احکام مذہبی کا اجراء

بڑے بڑے کام نکلے۔ (تاریخ شام الازدی ... صفحہ ...) [illegible]

[illegible] الروم ... رجالاً من اہل البلد کانوا نصاری [illegible]

[illegible]

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ (کتاب الخراج صفحہ ٨٠)

فلما رأی اہل الذمۃ وفاء المسلمین لہم وحسن السیرۃ فیہم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعوناً للمسلمین علی اعدائہم فبعث اہل کل مدینۃ ممن جری الصلح بینہم وبین المسلمین رجالاً من قبلہم یتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملکہم وما یریدون ان یصنعوا۔

خبر رسانی اور جاسوسی

عرب اور فلسطین کے اضلاع میں بدوؤں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو ... کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔ اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔ فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجود یکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قوم، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جہاں سے دار الخلافہ تک سیکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ قدرت میں تھیں کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

پرچہ نویسوں کا انتظام

اس کا عام سبب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت اور ان کا رعب و داب تھا۔ لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک موقع پر

ملاحظہ ہو ... صفحہ [illegible]

اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس سلسلے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے ذریعے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر **لا اکراہ فی الدین** [illegible] بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ صریحاً اس کے خلاف ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر جب اس کا غلام [illegible] کہا **لا اکراہ فی الدین**۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف رغبت دلائی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس فوج کو مہم پر بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعد وقاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے **وقد کنت امرتک ان تدعو من لقیته الی الاسلام قبل القتال**۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں

جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی اور سادگی اور پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دلوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیوں کا سپہ سالار جارج ابو عبیدہ کی فوج میں حاضر ہو کر اس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتاً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات سن سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ (تاریخ مقریزی ص ۲۲۶ میں ہے [illegible])

اسلامی فتوحات کی وسعت نے بھی اس خیال کو قوت دی۔ یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پرزور قوموں کا قدم اکھڑ جاتا ہے، خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے سارے عرب کے حالات

اشاعت اسلام کے اسباب

دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک[1] بہادر بھاگ نکلا اور سوار فوج نے اس کو گرفتار کرنے کے بعد [illegible] اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ "تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بیکار ہے"۔ اور جاہ فارس کے [illegible] کلیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں حاضر تھا اور اس وقت تک مجوسی تھا عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں"۔ لیکن ان ہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی"۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ "رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ"۔

(مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹)

۱۔ طبری واقعات جنگ فارس۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے، طبعاً جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اروکلن تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

۱۴ ہجری کے آخر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحبِ اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان۔ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔[1]

قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی۔ کل کی کل مسلمان ہو گئی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰)

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم ہوا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سواروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آ جائیں گے اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر

۱. معجم البلدان ذکر قنطرہ سنان ۲. فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجہ، زط، اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا۔ اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی تاکید کے ساتھ ہر جگہ سے ان کو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور وراۃ سے لے کر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی صفحہ ۱۸۴ جلد اول)

(فلما فتح المسلمون الفرما بعد ما فتحوا دمیاط وتنیس ساروا الی بقارة فاسلم من بها وساروا منها الی الوراده فدخل اهلها فی الاسلام وساروا الی عسقلان)

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو وہ دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہو گیا۔ (مقریزی جلد اول)

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے۔ ایک محلہ جو بنو نبہ کے نام سے آباد تھا۔ یہ ایک رومی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلہ جو بنو ارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک رومی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصری جنگ میں اس خاندان کے چار سو آدمی شریک تھے۔

تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یہودی تھے و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان سے شامل تھے۔[1]

۱. ان سب محلوں کی پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸ جلد اول میں ہے۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نومسلم یہودی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر تک اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے حمص کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ مؤرخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مؤرخ طبری نے سن ۱۶ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔ اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اعمال مذہبی کی ترویج تھی جن چیزوں پر اسلام کا دارومدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے بالکل صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ در گردن او است"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخے لکھوا کر محفوظ کرنا، تمام ممالک میں اس کا رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق

اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی مختلف چیزوں پر یعنی کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر، لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیوں کر کروں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لکھا دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضری کی خاص زبان میں اترا ہے۔ [illegible]

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ صحت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنائے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی

صحت و سلامت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی صحت کی تعلیم ہو کر ملک میں شائع ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

([illegible])

کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو راوی حدیث ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینے میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو وہ کہتا تھا جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا

صحابہ میں سے پانچ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان میں خاص کر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔ ابو ایوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جا سکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ حمص ہو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں۔ باقی دو صاحبوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے وہاں جب اچھی طرح تعلیم درست ہو گئی تو عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون عمواس میں وفات پائی لیکن ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور دمشق میں معلم رہے۔

تعلیم قرآن کا طریقہ

ابو الدرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں کی نگرانی کرتے تھے جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

[illegible]

دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

ایک دن ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتیں جیسی بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔ (بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل عرب کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار قاری پیدا ہو گئے۔

حافظوں کی تعداد

ناظرہ خوانوں کا شمار تو نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ ابو موسیٰ اشعری کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جابجا بھیجوں تو سعد وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ [illegible])

صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا امر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا۔ اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب

۱۔ کنز العمال جلد اول صفحہ [illegible]۔ ۲۔ ایضاً صفحہ [illegible]۔

روایت ابن الانباری یہ ہیں۔ **تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ** اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں۔ **تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلمون القرآن**

ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: "چنانچہ فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ را باجمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کی کرامت یا کارنامہ ہے۔ لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کے ذاتی حالات میں ان کے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر اشاعت کی کہ آج باوجود بہت سے وسائل پیدا ہو جانے کے بھی وہ اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لئے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

۱۔ کنز العمال جلد اول صفحہ [illegible]۔ ۲۔ ازالۃ الخفاء [illegible]۔ ۳۔ اعلام الموقعین صفحہ [illegible]

الفقہ والعلم (کتاب الخراج صفحہ ۲۷) کی بحث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فتوح اور ملکی انتظامات میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ حضرت عمر نے تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ "یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔"[1] عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وکان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الى اهل البصرة ليفقههم یعنی ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔ عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے "یہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔" عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو الدرداء کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں حبان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ان فقہا کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین تمام اطراف کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذين بعثهم عمر الى البصرة يفقهون الناس۔

کہ میں حمص کی مساجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یزید بن سعد کا بیان ہے کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ ([illegible] ترجمہ معاذ بن جبل)

فقہا کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کیں تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل، ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمٰن بن غنم، عمران بن حصین، عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ([illegible])

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عام ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یہ جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معتاد آن قوم خلیفہ برحق [illegible] جہال مخالفت [illegible] جمع ایں امور شدہ اند [illegible]
وبدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مسلم نمی ساختند [illegible] در عصر اختلاف مذہب

وتشت آراء واقع نشد بہر یک مذہب متحقق بہ یک وجہ متحقق چوں ایام خلافت خاصہ بالجملہ مترفع شد و خلافت عامہ ظہور نمود فقہا در ہر بلدے مشغول بفقہ شدند ابن عباس در مکہ فتویٰ می داد و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می کنا سید و ابو ہریرہ اوقات خود را باکثار روایت حدیث مصروف ساختہ بالجملہ دریں ایام اختلاف فقہی پیدا شد کہ وابیراے دیگر اطلاع ندادہ کر اطلاع شدہ ذاکرہ واقع ... و اگر ذاکرہ ... میان آنہا ازالت شبہ و خروج از مضیق اختلاف ... اگر تتبع کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بجماعت کم یابی و جمعے کہ ایام خلافت زندہ اند ہرچند روایت کردہ اند بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہرچند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشاں مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق ایشاں ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شد فرق ما بین السموٰت والارض ست۔

(ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ [illegible])

عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی صیغے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت توجہ کی۔ اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ عقبہ سے ادھر ہی ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل دس حج کئے اس لئے میر حج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حاجیوں کی خبرگیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

۱ موطا امام محمد صفحہ [illegible] ۲ موطا امام مالک صفحہ [illegible]

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری بیروت میں واقع ہے۔ راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے ۱۷ ہجری میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس سے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام بھی لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قباطی کا غلاف بنوایا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے۔ حرم کی حد (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے سات میل ہے) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر نصب کر دیئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن ۱۷ ہجری میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل، ازہر بن عبد عوف، حویطب بن عبد العزیٰ، سعید بن یربوع

۱ موطا امام محمد صفحہ [illegible] ۲ الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ [illegible]

کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانفشانی کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۷ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمتاً لے کر گرا دیئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبراً لینے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو وسعت دی پہلے طول سو گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں۔ جس قدر ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۸ و ۱۳۹)

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتدا انہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک ظرف آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کے حوالہ کیا۔ وہ ہر جمعہ کے دن انگیٹھی میں رکھ کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا۔ اور ان کے کپڑے بسا آتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت

۱؎ خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۳۸

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا کہ اسلام کی سادگی بہرحال بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں آلودہ نہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اوپر گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جا سکتے تھے اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہو گا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اس کی ضرورت سے سن اور سال قائم کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک مدت تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۲۱ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے وہ اس کو ماہ روز کہتے ہیں۔ اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں

سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے تھوڑے دن پیچھے ہٹ کر سال شروع سے قائم کیا۔ (مقریزی جلد اول صفحہ [illegible])

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے بالکل لوگ بے بہرہ تھے یہاں تک کہ جب سنہ ۲۰ ہجری میں اسکندریہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جو حساب کتاب جانتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے میں اس کی تنخواہ دو درہم روز مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت نہایت جلد ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہو گئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچیدہ دیوانوں کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی قومیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہیں ملتی تھیں جن کو بلحاظ قرابت کے لحاظ سے نیز پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے ان کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو، بصرہ میں مسمعی بن شبیہ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب

تھے۔ جانوروں کا حلیہ، رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (طبری صفحہ [illegible])

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی اسی بناء پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولا کی فتح میں جو سنہ ۱۶ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص صنفوں کے دفاتر بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر لوگ قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ (طبری صفحہ [illegible])

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے [illegible] طرح جو دفاتر میں [illegible] ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ [illegible] سے [illegible] میں اس کے [illegible]

سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیر المومنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکہ جو جاری تھے بحال رہنے دیے۔ سنہ ۱۸ ہجری میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے۔ **اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کئے۔ جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوں پر **الحمد لله** اور بعض سکوں پر **محمد رسول الله** اور بعض پر **لا اله الا الله وحده** لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔[1]

[1] دیکھو رسالہ [illegible] مقریزی مطبوعہ [illegible] ہجری صفحہ [illegible]

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ دانگ کا، طبری چار دانگ کا، مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری جو زیادہ چلتے ہیں ان دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔ [illegible]

(الماوردی صفحہ ۱۴۷)

ذمی رعایا کے حقوق[1]

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی مالک حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا تو کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتہً وہ حالت بدل گئی۔ جو حقوق ان کو دیئے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا کہ دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم نمونہ اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے اندازہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو بھی نہیں دیئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور بعض مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطى عبد الله عمر امير المؤمنين اهل ايلياء من الامان

[1] ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں

اعطاهم امانا لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريئها وسائر ملتها انه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيزها ولا من صليبهم ولا من شئ من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد من اليهود وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن وعليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فهو آمن على نفسه وماله حتى يبلغوا مأمنهم ومن اقام منهم فهو آمن وعليه مثل ما على اهل ايلياء من الجزية ومن احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلى بيعهم وصلبهم فانهم آمنون على انفسهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مأمنهم وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذي عليهم من الجزية شهد على ذلك خالد بن الوليد وعمرو بن العاص وعبد الرحمن بن عوف ومعاوية بن ابي سفيان وكتب وحضر سنة ۱۵ ہجری۔

(دیکھو تاریخ طبری ...)

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ نہ ان کو اور ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تاآنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیا والوں میں

سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ ۱۵ ہجری میں لکھا گیا۔"

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں گرجاؤں اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت صاف تصریح ہے کہ **لا یکرھون علی دینھم** عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل جا سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصاف برت سکتی ہے؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کر دیتے تھے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا

وقاتل من ورائهم وان لا یکلفوا فوق طاقتهم۔

(صحیح بخاری صفحہ ۱۸۶ مطبوعہ میرٹھ)

"میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا عہد دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی غرفہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔ غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ غرفہ نے کہا نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ اس سے یہ معاہدہ ہوا کہ اپنے گرجوں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۲۰ ہجری میں اس کو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۴۹۲) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاملات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق احترام کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا تھا چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم

۱۔ [illegible]

اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لا یغیرون عن ملۃ ولا یحال بینہم وبین شرائعہم

(طبری صفحہ ۲۶۳۲)

"ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی"۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لہم الامان علی انفسہم واموالہم وملکہم وشرائعہم ولا یغیر شیء من ذلک۔ (طبری صفحہ ۲۶۵۸)

"ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا"۔

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

الامان علی انفسہم واموالہم وشرائعہم (طبری صفحہ ۲۶۶۲)

"جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے"۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالہم وانفسہم وملتہم وشرائعہم۔

"جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا ورنہ یہ خیال ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسق ان کا ایک عیسائی غلام تھا اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا **لا اکراہ فی الدین** یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ (کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۴۹)

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفظ حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی

بھی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل ہو جاتا تھا۔ مسلمان ذمی سے جس طرح [illegible] تھے تو ذمی اس سے مستحق ہوتے تھے، ذمیوں سے جو [illegible] عشور [illegible] کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا، اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے دو قسم کے محصول وصول کئے جاتے تھے۔ جس کی مقدار ذمیوں سے زیادہ تھی، اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔ البتہ [illegible] شرح مقابلۃً ذمیوں سے کم تھی بیت المال سے [illegible] الشعور [illegible] تھا اور حقیقت صرف ایک مثال ہے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے [illegible] جو قاعدہ تھا کہ مسلمان [illegible] اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا، بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا، ذمی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی ملحوظ تھی۔ یہ قاعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مقرر ہوا چنانچہ خالد بن ولید نے حیرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم أيما شيخ ضعف عن العمل أو أصابته آفة من الآفات أو كان غنياً فافتقر وصار أهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما أقام بدار الهجرة ودار الإسلام ولو ذهبوا فليس على المسلمين النفقة على عيالهم
[illegible]

"اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص [illegible] سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔"

یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی آیت سے مستند [illegible] بیت المال سے روزینہ مقرر کیا۔ قرآن مجید کی آیت **انما الصدقات للفقراء والمساکین** (صدقات [illegible] کے لئے ہیں) میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مساکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے ایک بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں"۔

[illegible]

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر لحاظ تھا جس قدر مسلمانوں کی عزت و آبرو کا۔ ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ [illegible] جو حمص کے حاکم تھے اور نہایت مقدس [illegible] تمام عمر و اوران خلافت میں ان [illegible] بسر ہوتا تھا ایک عجمی ان کے حق میں [illegible] کی شان میں یہ لفظ کہا [illegible] اخزاک اللہ [illegible] اس پر ان کو اس قدر ندامت ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر [illegible]

[illegible]

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

یہ حالت [illegible] سازش و بغاوت کی [illegible] ساتھ [illegible] کا ظہور ہوا [illegible] قرآن مجید [illegible] وقت تک [illegible] کی طرف سے [illegible] اور قریب [illegible] قومیں کی [illegible] نہیں۔ [illegible] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] حالت میں [illegible] شام کی [illegible] ایک شہر تھا [illegible] لیکن [illegible] اور [illegible] ان کو [illegible]

رہتے تھے جب معاہدہ کر کے جا بسے حضرت عمرؓ نے ... حضرت عثمانؓ ... کو ... کا حکم ... یا تھا دیا ... ان کی زمین، مویشی اور اسباب سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دی جائے وہ ان سے کو اور کہیں چلے جائیں۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دی جائے اور اس کے بعد جلاوطن کر دیے جائیں۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ ... قوم اس ... اور ... کی کوئی تعلیم ... ہے؟ ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر ... ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ میں بازار لگاتے تھے، اپنے اہتمام و صرف سے سڑک اور پل تیار کرتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آ کر کہتے تھے حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو"۔

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کے ساتھ ناانصافانہ سلوک کیے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں، لمبی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی نہ کسیں، نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں، شراب اور سور نہ بیچیں، ناقوس نہ بجائیں، صلیب نہ نکالیں، جو تغلبی عیسائی تھے ان کو اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر مستزاد یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور ... بچے بچے تک کو ...

۱ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ...

عادی ہو ... سختیوں کی وجہ سے عرب میں تنگ تھے جلاوطن کر دیے۔ سب سے بڑا شبہ یہ ہے کہ علامات تشبیہ قومیت کے متعلق ہیں اور ہم اگلے جواب دیتے ہیں، کسی قدر تفصیل سے کام لینا ہوگا۔ [illegible] ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے مقصود قومی خصوصیتوں کا قائم رکھنا تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کو جس ... لباس کی ... کی تھی وہ ان کا قدیم لباس تھا ... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ لباس بطور علامت ... تجویز کیا ... جس شخص نے ... وہ ... قدیم لباس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاہدہ ... کنزالعمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے ... ذمیوں کی طرف سے ... ہم فلاں فلاں لباس ... الفاظ یہ ہیں **وان نلزم زینا حیث ما کنا** (کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۲) یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا وہ ان کا قدیم لباس تھا۔

زنار ... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ... کی نسبت ... غلطیاں کی ہیں ... وہ بالکل ... ایک قسم کا جینو ... تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ زنار کے معنی پیٹی کے ہیں ... میں یہ لفظ ... عربی میں مستعمل ہے۔ پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے زنار اور منطقہ مترادف الفاظ ہیں ... الفاظ کا ... کتب حدیث سے ثابت ہے۔

... سے ... منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ... حکم بھیجا **وجزوا ... المناطق** یعنی **الزنانیر** کی زنار ... کی ... چنانچہ ... زنار ... لکھا ہے ... مجوس قدیم سے پیٹی لگاتے تھے ... مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے ... مجوس کی اس قدیم عادت کی وجہ ... کتاب

مروج الذہب میں لکھی ہے ایک قطعی دلیل اس بات کی ہے کہ یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا یعنی لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں سو وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام مورخین نے تصریح کی ہے وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور ان کی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اسکو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے، شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس بجانے، اصطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بہ افسوس اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن بدقسمتی سے بعد کے مورخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

ولا یرفعوا فی نادی اھل الاسلام صلیبا (کتاب الخراج صفحہ ۸۰)

یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی **یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰۃ** (کتاب الخراج صفحہ ۸۱) یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے۔ سور کی نسبت یہ الفاظ تھے **ولا یخرجوا خنزیرا من منازلھم الی افنیۃ المسلمین** یعنی ذمی سور کو مسلمان کے احاطے میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا مطلقاً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کی جا سکتی۔ سب سے بڑھ کر قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ

دینے سے روکنا تھا اور یہ گویا

اصطباغ نہ دے سکنا

اس بات کی ممانعت ہے کہ اسکی اولاد کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے۔ بے شبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب پر پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنا لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اسکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ **علیٰ ان لا ینصروا ولیدا ممن اسلم آباءھم** (طبری صفحہ ۲۴۸۲) یعنی بنو تغلب کو اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کو عیسائی بنا سکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ **ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم آباءھم** (طبری صفحہ ۲۵۰۹) یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو سخت کیوں کیا۔ لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہوں نے معاہدہ کے لئے یہ شرائط پیش کیں تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لئے عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور سور نہ لائیں۔ خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں، نو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدماء میں بھی یہ

تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے۔ روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں لیکن چونکہ بظاہر خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عام تاریخیں سرتاپا اس سے معمور ہو گئیں۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل متفرع کر لئے۔

عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا ان سے کہہ دیا گیا کہ جس وقت مناسب ہوگا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ بالاخانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری "کتاب الشروط" میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔ (کتاب الخراج صفحہ ۴۲)

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پالیٹیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے۔ اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ نصف قیمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے ان کو دلوا دی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین کی قیمت دلوا دی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۹)

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۶۹

کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔

(۱) عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افسران ان کی آبادی اور زراعت کے لئے ان کو زمین دیں۔

(۲) جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کریں ۲۴ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے۔ (صفحہ ۴۱)

ایک ایسی قوم جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جا سکتی ہے۔ اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ ابتداء ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نوشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے اس کے علاوہ موقع بموقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مقبوضہ حصوں سے ہٹ آئیں۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص، دمشق وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس دے دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی کسی قسم کی فوجی مدد مسلمانوں کی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف

کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سنہ ۱۹ ہجری میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ

ستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ و یرفعوا عنہم الجزاء

(طبری صفحہ ۲۴۹۷)

یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔"

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ ہجری میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

ومن حشر منہم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ

یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔"

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے

وعلی اہل ارمینیۃ ان ینفروا لکل غارۃ و ینفذوا لکل امر ناب او لم ینب راہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء (طبری صفحہ ۲۶۶۵)

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

ان لکم الذمۃ و علینا المنعۃ علی ان علیکم من الجزاء فی کل سنۃ علی قدر طاقتکم و من استعنا بہ منکم فلہ جزاؤہ فی معونتہ عوضا من جزائہ (طبری)

یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہو گا اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائے گا۔"

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے، معاہدوں سے، طرز عمل سے روشنی کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا اور وہ کس غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لئے خوراک، لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

مثلاً جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس و غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی مقدار اصل میں ۲ دینار تھی۔ لیکن جو نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور جنس کے بجائے چار دینار لئے جانے لگے۔

(فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶)

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس حیثیت سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں انہوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا۔ اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اس کے ساتھ یہ اصول قائم کیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ قول ہے کہ **لا یسترق عربی**

عرب کا غلام نہ ہو سکنا

یعنی عرب کا کوئی قومی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فن نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے **لا اذہب الی قول عمر لیس علی عربی ملک** یعنی میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال یہ تھا۔[1]

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔

---

[1] کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے۔ دیکھو کتاب ... صفحہ ۳۲۲ جلد ۲۔

اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنا کیا کہ غلامی کو محدود کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے، لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک ہو کر گرفتار ہوئے [illegible] اور مستثنیٰ [illegible] باوجود [illegible] ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا [illegible]

اور جب مصر کے بعض دیہات کے لوگ جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو جابجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا اور ان کو غلام بنانا جائز نہ رکھا۔ چنانچہ مؤرخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شام کے شہروں میں بصریٰ، بعلبک، طبریہ، دمشق، حمص، حماۃ، معرۃ [illegible] دیکھو جہاں عیسائی بڑے زور و شور سے لڑے تھے غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں جو معاہدے صلح میں یہ الفاظ لکھ دیے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا۔ ماسبذان، جندی سابور، تستر وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ **لا یسبوا** یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ صلح سے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج مقرر کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ شارحین اور محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتب کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا جب وہ زر معینہ ادا کر دے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن میں موجود ہے **فکاتبوهم ان علمتم فيهم خيرا** لیکن فقہاء اس حکم کو وجوب میں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاہدے کو منظور کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو واجب قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں

ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انس کو درے لگائے اور آیت مذکورہ بالا سند میں پیش کی۔ آخر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور ماننا پڑا۔

• کہا جاتا ہے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا اور یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسین کو، ایک محمد بن ابی بکر کو، ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ہے ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالے سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے۔ علاوہ زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ مدائن کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو اصفہان بھاگ گیا اور پھر خراسان وغیرہ میں پھرتا رہا۔ بالآخر مرو میں پہنچ کر [illegible] ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا مارا گیا۔ اس کی اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری وغیرہ کو بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر [illegible] برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس [illegible] ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نابالغی میں اس قسم کی عنایت کی ہو۔

[illegible]

غلاموں نے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو آئمہ حدیث میں شمار کیے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ہی اجتہاد کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ لونڈیوں اور کنیزوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو یہ خیالات جاتے رہے [illegible] غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصل سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل تھا۔ بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا [illegible] اس سلسلے میں بیجا ہے جیسا کہ [illegible] خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے کو [illegible] لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مساوات [illegible] قائم۔ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع ہی کب ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلامی کو یکسر مسدود نہیں کیا تھا۔ اور شاید ان کو یہ حق بھی نہ تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساوات برتنا، یہی اسلام کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تکمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب الادب میں غلاموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اعمال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس موقع کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروقی پر عام حیثیت سے جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے [illegible] قدر [illegible]
مختلف مذاہب، مختلف قومیں [illegible]

[illegible] تک ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب عظمت و جلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن [illegible] سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول [illegible] بغاوت [illegible] اختلال، [illegible] عدل و انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے۔ ایک شخص سے جرم ہو تو تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں تحقیق کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے [illegible] ذرا سی بات پر [illegible] سخت [illegible] اب [illegible] تمدن [illegible] کے قاعدوں سے کام لیا جاتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ [illegible] والوں سے [illegible] کی قوانین [illegible] لیکن اس طرح [illegible] کی [illegible] کی [illegible] ایک [illegible] قرآن [illegible] جو فتحیابی اور [illegible] کی تیاریاں [illegible] اور [illegible] برابر [illegible] پہنچا [illegible] دوسرے ممالک میں [illegible] اس رعایت کے ساتھ [illegible] کی [illegible] قیمت [illegible] دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جو جہاں [illegible] ان کے [illegible] پہنچا [illegible] اور [illegible] مستقل قیام [illegible] پوچھیں [illegible] ان سے [illegible] جائے۔

[illegible]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشکلات

شاید تم کو یہ دھوکہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس رعایا پر [illegible] آئی تھی [illegible] اطاعت و انقیاد [illegible] اور اس لیے ان کو عمدہ سیاست کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو [illegible] دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا [illegible] اطاعت میں [illegible] ایران [illegible] مدت تک شہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں۔ اس لیے ان [illegible] سے [illegible] مشکل تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے [illegible] تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت [illegible] رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک [illegible]

تھے۔ جن کا قول تھا کہ خلافت خاندان ہاشم ہی کا حق ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح مستحق نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اخراج کے معاملے میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جاہلیت میں میرا باپ جب کمخواب کی قبا پہن کر نکلتا تھا تو خطاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے۔ آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتاتا ہے۔ بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں طالب نقل خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ "متعدد جمعے از بنوہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقل خلافت مشورہ بیکار می بودند"۔

(ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ارادوں کو اگرچہ دبا لیا لیکن بالکل پست نہ کر سکی تھی۔ اس کے علاوہ عرب کا فطری و اخلاقی آزادی اور خود سری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے یہاں تک کہ مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برات بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا۔

(اسد الغابہ تذکرہ ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ)

واللہ ما عدلت یا عمر! لقد نزعت عاملاً استعمله رسول الله ﷺ وغمدت سیفاً سله رسول الله ﷺ ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن العم

یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچیرے بھائی سے حسد کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب سن کر کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں

غصہ آگیا۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لا سکے امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کیے۔ سعد وقاص کو فاتح ایران کی معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی بدو اور قبائل کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ان کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کی حکومت میں شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کا ایک درجہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت سن کر کہا "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی" اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ "ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا" اس نے کہا کہ "اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔" غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ ملک کے عمدہ داران کو حج کے موسم میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے

ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو درے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تاہم ایسا ضرور ہوگا"۔ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کر"۔ آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ ہر درہ دو دینار لے لے اور اپنے دعوے سے باز آئے۔

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے۔ جن میں اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے۔ ان کو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے۔ غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں" ابو سفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے قرابن کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائی سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے، آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔ (کتاب الاوائل صفحہ ۱۲۱)

۱۵ ہجری کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ وہ فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہ کم و بیش مقرر کیں، جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی۔ جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے تھے ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا

میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی کمتر و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے قبیلے کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کو مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ "جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے"۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلے سے تھا لڑائی میں یا آل ضبہ کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ (فتوح البلدان صفحہ ۴۵۹)

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا تو لکھ بھیجا کہ "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو"۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور شان و شوکت اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی سبب تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابری کے لقب سے خط لکھتے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص لوگ جن کی اعلیٰ شان کو صدمہ پہنچا تعلقات میں کدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لئے عام ملک پر اس

کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ دور بدور معترف ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی مساواتِ عام کے مقابلے میں اپنی خود رائی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائلِ عرب میں جو ابھی بیہودہ مفاخرت کی بنا پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدانِ کارزار بن گیا تھا۔ ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصولِ مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُرفخر لقب کیوں اختیار کیا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفارِ عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیرِ مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المومنین)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لقب کا خیال نہ تھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدے کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کرو۔ عمرو بن العاص نے اعتراض کیا اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیتِ واقعہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرتِ عام ہو گئی۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارِ گراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا۔ ایسے وقت میں

۱۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ آگرہ صفحہ ۱۴۵

ان کی راست بازی کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ ناواقف لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے اسی بنا پر خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ۔

لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم واقواکم علیکم واشدکم اضطلاعاً بما ینوب من مہم امورکم ما تولیت ذلک منکم۔

یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کار گذار سب سے زیادہ قوی اور مہماتِ امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بازو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اس سے زیادہ صاف یہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کئے ہیں۔

لو علمت ان احداً اقوی علی ھذا الامر منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی احب الیّ۔ (مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۳۳)

یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری گردن ماری جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی تصنع اور ریا کی آمیزش سے ملا ہوا ہے؟

سیاست

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک دائرۂ خلافت میں داخل تھے ان کی اصلی تین قسمیں تھیں۔ عرب، ایران، شام و مصر اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے دہقان اور زمیندار چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا۔ اس لئے ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے چنانچہ دہاقینِ عراق میں ابن الہرمزان، سلام بن رزی، رفیل، مثلہ، جمیل کے مستقل روزینے مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحبِ جائداد نہیں رہنے دیا تھا۔ اس لئے ان کی طرف

سے چنداں اندیشہ نہ تھا وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے پایا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصری رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے کہ وہ تقریباً اسلام ہی لے آیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیے اور فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچا اور کسی بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پالیسی سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایک گورنر مقرر نہیں رہا جو مختلف صوبجات میں بدلا نہ ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ مقتدر ہو جانے کا خیال ہوتا تھا اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ "آپ لوگ دولت بہت جمع کر چکے ہیں" پھر فرمایا **لا تخرجوا فتسلوا یمینا و شمالا** (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۱) ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ "آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں"۔ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۱) اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ۔ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آ سکتا تھا اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیر کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے ان کا نام واقعی مصلحت گو قریب قریب فریب، ظاہرداری اور ملق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے مدبر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا شبہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ

انی لم اعزل خالدا عن سخطة ولا خیانة ولکن الناس فتنوا به فخفت ان یوکلوا الیه.

"میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اس لئے میں ڈرا کہ لوگ ان پر بھروسہ نہ کر لیں"۔

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا۔

لم اعزلهما عن ریبة ولکن الناس عظموهما فخشیت ان یوکلوا الیهما (طبری صفحہ ۲۵۲۸)

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔

عہدہ داران سلطنت کا صحیح انتخاب

یہ امر مسلم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیئے تھے۔ سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔ چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام و کوفہ و مصر پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت و عبداللہ بن ارقم انشاء و تحریر میں مسلّم تھے۔ ان کو میر منشی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبداللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے ان کو قضا کی خدمت دی۔ غرض یہ کہ جس کو جس کام پر مقرر کیا، گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مورخوں نے بھی کیا ہے۔ ایک مشہور عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رو رعایت کیا۔ اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا۔[1]

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست و دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر

آتا تھا۔

ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے حد کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ جاں بحق ہو گئے۔[1] قدامہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو حد درے لگوائے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں، ان کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشور، دفتر، رسد کا انتظامات، حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کو حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیجو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا۔ تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ

وھی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفارس۔

یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فارس فتح کیا تو ان کی اقتدا کی۔

اس سے زیادہ صاف اور صریح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے۔ علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کے معاصر و ہم پایہ تھے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے اس میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظامات کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ

---

[1] ابو شحمہ کے قصے کو داستان گویوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے۔ حضرت عمر نے ان پر شرعی حد جاری کی اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر۔

[2] کتاب الخراج صفحہ [illegible] تاریخ طبری صفحہ [illegible] یہ کتاب [illegible] سے اب جلد [illegible] باسورتھ کی [illegible] سے چھپی ہے اور یہیں سے اس کو نقل کیا ہے۔

وکان عمر یکثر الخلوۃ بقوم من الفرس یقرؤن علیہ سیاسات الملوک ولا سیما ملوک العجم الفضلاء وسیما انوشروان وانہ کان معجبا بہا کثیر الاقتداء بہا۔

"یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے چند لوگوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے، یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیروان کے اس لئے کہ ان کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے"۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزۃ من اجیز بہا

"یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب تحریری اطلاعیں ان کو پہنچیں"۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدی کرب کو پورا حصہ نہیں دیا۔ عمرو معدی کرب نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اس لئے اس کا حصہ کم ہوگیا۔ معدی کرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا بولے کہ ہاں دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی عمرو معدی کرب کو سخت تنبیہہ کی جس کی وجہ سے ان کو پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے

دولت و ثروت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتہدم

"شاید امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں میں منادمانہ صحبتیں رکھتے ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کرکے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ (اسد الغابہ۔ نعمان بن عدی)

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ مدت تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عاملوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ایک شخص ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو معزول کردیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتے تھے علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وکانوا لا یحدثون حدثا ولا یاتونہ الا وامروہ لہ۔ (طبری صفحہ [illegible])

"یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے"۔

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے باہر نہیں رکھتے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا جو مال جمع تھا اس کی نسبت فرمایا کہ۔

لقد ہممت ان لا ادع فیہا صفراء ولا بیضاء الا قسمتہ۔

(صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبہ)

"یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کردوں"۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ

۱؎ اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان

تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا" وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔ (مسند امام احمد حنبل)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے کر گیا تھا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑ گئے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔ اس کارروائی کا مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ لوازمہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بسر کرتے تھے خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں۔ اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ "صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس"۔ چنانچہ ان کے اور ان کی لونڈی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ ۱۵ ہجری میں جب بدر یعنی ان صحابہ (جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سالانہ ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی میں فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ مقدار تھی۔

ان کی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے

۱ کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ ۲ تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ

تھے، زمین پر سو رہتے تھے، جوتیوں کا ٹانکا لگا لیتے تھے، گھر میں نہیں پکتا تھا اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آ جاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو علی عنہ سے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے اس کے بعد جو دولت مندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لیں گے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آتی ہے۔ بنو ہاشم کی نسبت یہ بدگمانی بطور خود کر رکھی تھی حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے اس لئے بلا کر ان سے کہا کہ فی النفس منہ شئی لم ارہ منک ... انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفیء الذی ہو آت

یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم حاصل فئی پر تصرف نہ کر لو۔

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ واقع میں بھی آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاری اور نکتہ سنجی برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی حیثیت سے بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے دارالخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب

۱ کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ...

اور اقدام جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی حرج نہیں ہوتا تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گزری۔

تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات میں رک نہیں سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی جلی کمدہ طرش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ والوں کے تمام راستے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ ولید بن عقبہ تغلب کی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اس نے کہا کہ گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور بیس ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے۔ وہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی ولید بن عقبہ کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور کہا کہ میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حنیفی (مسلمان) ہوں جس سے تمہارا کام انجام ہو گیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا بہت سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں سے کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج

[illegible]

از کار رفتہ اور مفلوج دیہاتیوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام کیا گیا تھا کہ ایک جریب آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا گیا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا۔ اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کیا جائے۔ اعلان عام کے لئے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے خدا سمجھے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے

انی قد فرضت لکل نفس مسلمۃ فی شہر مدی حنطۃ و قسطی خل۔

یعنی میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے"۔

فقراء اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی؟ فرمایا "ہاں غلام کے لئے بھی"۔ فقراء اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جیسا ہم اوپر ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ **انما الصدقات للفقراء والمساکین** فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ کا لنگر خانہ تھا کہ اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

[illegible]

[illegible]

لاوارث بچے

لاوارث بچے جن کو ان کی مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں ان کے لئے ۱۸ ہجری میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ چنانچہ ان مصارف کے لئے اول سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی۔

یتیموں کی خبر گیری

یتیموں کی پرورش اور ان کی جائداد ہوتی تھی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے۔ اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے۔ تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس کرو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گئی۔

قحط کا انتظام

۱۸ ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ عمرو بن العاص نے قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے جن میں ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ تشریف لے گئے۔ جس کا نام جار تھا اور مدینہ منورہ سے تین منزل ہے۔ بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی۔ جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کرواتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے اس موقع پر یہ بات خاص طور سے

۱؎ تسہیل یعقوبی [illegible]

[illegible]

[illegible]

جتلا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ ملک کی پرورش و پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی۔ جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نکتہ سنجی

ایشیا سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر نہایت ذوق سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے دوسری طرف قوم کا روپیہ کس طرح بے جا مصارف و بخشش پر لٹا دینا ثابت ہوتا ہے یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں ٹوئی ایسے پیدا کر دیے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بے خبر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اور قسم کی فیاضی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہے مانگ۔ علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کمانے کھانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ **وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اهل الصدقة**

(الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳۰)

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ **مکسبة فیها دناءة خیر من مسألة الناس** یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے

سوال کرنے کی بہ نسبت اچھا ہے۔ مشقت خوری کا موقع آتا تو وہ تو علماء و صوفیا کو اشتا ہے جن کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے ملا نیہ مخاطب کر کے کہا

لاتکونوا عیالا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر بار نہ ڈالو (سیرۃ العمرین ابن جوزی)

جزئیات پر توجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جاکر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب کے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ تحریر کرتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھوا رکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے۔ کاغذ، قلم اور دوات خود مہیا کر دیتے اور جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ یہ معمول رکھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو

کچھ ان سے کہنا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرسش کرتے۔

سفارت

ایک عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے۔ اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں اس سے کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ ہوتی تھی کہ عمال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا۔ سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے۔ ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟

اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے "آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔"

بولی کہ "اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت رقت ہوئی۔ اور بے اختیار رو پڑے۔ ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر

1. کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۰

سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا۔ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے، دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آ کر فرمایا کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا۔ اسی دن سے منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ اسلم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے۔ مدینہ سے تین میل پر صرار کا ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے۔ اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے مدینہ میں آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں۔ اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو۔ اسلم نے کہا کہ میں لے چلتا ہوں۔ فرمایا ہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا "خدا تم کو جزائے خیر دے، سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعتاً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون روتا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی درد زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی عجیب حالت ہوئی جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ "اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا"۔ اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فکر و تردد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر قحط رفع نہ ہوتا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے۔

یاعمر الخیر جزیت الجنۃ اکس بنیاتی وامہنہ اقسم باللہ لتفعلنہ

"اے عمر! الخیر اگر ہے تو جنت کا ہے میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا۔ خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہو گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہو گا؟ بدو نے کہا۔

تکون عن حالی لتسئلنہ والواقف المسئول بینہنہ اما الی نار واما جنۃ

"تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہو گا اور تو بھونچکا رہ جائے گا پھر دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہو گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہو گئی پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دے دو۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

(سیرۃ العمریہ از ابو تمار)

---

¹ یہ تمام روایتیں ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ میں مستند حوالوں سے منقول ہیں۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالاخانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

تطاول ہذا اللیل وازور جانبہ　　ولیس الی جنبی خلیل ألاعبہ

"رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پہلو میں یار نہیں
جس سے خوش فعلی کروں۔"

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینے۔ صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کہا کہ میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ (اسد الغابہ تذکرہ سعید بن یربوع)

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ پاس جا کر کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا داہنا ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہو گا۔ سر کون دھوتا ہو گا؟ کپڑے کون پہناتا ہو گا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا۔ اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، درحقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و از میان امت کسے کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ ایں جماعہ در اصل فطرت خلفائے انبیاء اند در امت۔" (ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۳)

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اقرار، اس کی صفات کمال کا اعتراف، روز جزا کا یقین، زہد، عبادت، محاسن اخلاق کی تعلیم، تمام مذاہب کے اصل الاصول اور احکام ہیں۔ اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں۔ لیکن ان کے مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ کیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہو گئیں۔ اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے آئمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ چڑھنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس قدر زور و شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام کی ایک طرف خواص کا جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا خفی اثر موجود ہے کہ استمداد من القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اس کی نظیر صحابہ کے زمانے میں بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا و قدر

الٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جس میں بڑے بڑے آئمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعض کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے نہایت غیظ میں آ کر کہا کہ **افرارًا من قدر اللہ** یعنی قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔ (یہ واقعہ مسند ابن حنبل، صحیح بخاری باب الطاعون میں مذکور ہے۔)

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ

"یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔"

اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے اسی بناء پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔

ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ

انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع

میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بظاہر عام ہے۔ جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔ چنانچہ محققین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بناء پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔ ایک دفعہ حج سے واپس آ رہے تھے، راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص [illegible])

نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانہ میں

۱ ازالۃ الخفاء حصہ دوم [illegible]

بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگوں نے بہت سی صرف معاشرت کی باتوں کو مستحب کہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور صورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ شرعی اور مذہبی نہیں ہوتے اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، امہات الاولاد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت لطافت کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان کے مسائل میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اسلئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) خاص اسی فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جس کی وجہ کچھ یہ تھی کہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محبت اور عقیدت کی بنا پر شان یہی ہے کہ جو بات جس طرح ہے مان لی جائے اور اس میں عقل کو مطلق دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ

۱ یہ مسئلہ کہ ام ولد [illegible] حضرت [illegible] آنحضرت [illegible]
[illegible]

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس علم سے بحث کی اور اس کے معنی ظاہر کیے۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ)

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا ان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوئے لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہے **لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔
(صحیح مسلم صلوٰۃ المسافرین)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت تین پھیروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے لئے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے ضعیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم) اس کے بعد یہ فعل مستقل سنت ہو گیا چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف کہا کہ **مالنا وللرمل انما کنا راءینا به المشرکین وقد اھلکھم اللہ** (صحیح بخاری باب الرمل) یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض ہے؟ اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا بھی

ارادہ کر لیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سمجھ کر چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں کہا غلط سمجھتے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء حصہ دوم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا **لاتمم مکارم الاخلاق** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے۔ ان کا خلوص، انقطاع الی اللہ، زہد فی الدنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کچھ نہ کچھ اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مؤرخ مسعودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے۔ پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور عام طور

کی تحقیر یعنی بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں جو قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارتے تھے اس کو قطعاً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی۔ ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت برافروختہ ہو کر کہا کہ "خدا ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ پوچھنے کو کھڑے ہوئے تھے جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آنکلے۔ یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے؟ یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا **اوما تری فتنۃ للمتبوع مذلۃ للتابع** (اسد الغابہ) ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

ہجو کی ممانعت

ہجو بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء جا بجا لوگوں کی ہجو لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا اس لئے یہ ہجویں نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھیں اور ان سے سینکڑوں مفسدے پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا۔ اور اس کے لئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حطیہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور ہجو کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش نے جب تیغوں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیا کہ وہ لب نہ پڑھے جائیں کہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔ (اغانی ذکر حسان بن ثابت)

ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء آزادانہ اور بیباکانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے۔ اور اس کی وجہ سے بدی و آوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

شاعری کی اصلاح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھا کریں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔ **تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا یشبب احد بامراۃ الا جلدہ۔**

شراب خوری

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا۔ یعنی پہلے چالیس درے مارے جاتے تھے انہوں نے اسی درے کر دیئے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے۔ تاہم لوگ عیش پرستی میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور جناب امیر اور امام حسین کے معرکے جیسے پیش آئے برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے حدود میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف خطاب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا

یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا۔ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

عرب میں جو لوگ معزز ہوتے تھے اپنے قبیلے کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ کے لوگ ان الفاظ سے خطاب کرتے تھے جعلنی اللہ فداک یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلنی اللہ فداک تو فرمایا کہ اذاً یهینک اللہ یعنی اگر خدا ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو گا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عمال کا نصف مال و اسباب نیلام کر کے بیت المال میں داخل کروا دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابوبکرہ تھا صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہئے تھا اور ہمارا تھا تو اس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر فرد پاکیزہ نفسی، نیک خلقی، علم، تواضع، جرأت، منصف مزاجی، آزادی، حق پرستی و بے باکی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیے میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی حیثیت محدث و فقیہ ہونا اجتہاد کے منصب میں حدیث و فقہ

حدیث و فقہ کا فن در حقیقت تمام تر انہی کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے۔ لیکن فن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے۔

احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ کھلا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی اور مسائل آنحضرت کے اقوال سے

موافق طے کیے جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لئے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) احادیث نبوی کو لکھا لکھا کر نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را باجمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو درداء را بشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند۔ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم)

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل ۷۰ مرفوع احادیث......جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ "زکوٰۃ فلاں فلاں چیز پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے" تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا۔ لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہے۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرامین میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ در حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں بالجملہ آنکہ مضمون احادیث و خطب و ارشاد فاروق اعظم با اصل احادیث باں موقوف علیہ قوت یابد انکہ بقول حق نیز مسعود و جعد اتکہ و در متفق علیہ از حضرت صدیق جمع شد گر ششی حدیث فاروق اعظم بصحت رسید و قریب ہفتاد حدیث ایں را ملحوظ باید داشت کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تعین و اعلان کرد۔

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مستقل بالشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں ان کی حیثیت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بھی احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتناء کس قسم کی حدیثیں ہیں؟

کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے حجت و مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مسائل سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط ہو سکتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ "بالجملہ و تمام معلوم شد کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ طریقہ و تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آں معروف می ساخت لہٰذا احادیث شمائل آنحضرت صلعم و احادیث سنن زوائد و لباس و عادات کمتر روایت می کرد بدو وجہ یکے آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست دوم آنکہ از سنن زوائدہ سنن ہدی مشتبہ گردد۔" (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۱۴۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جن میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں۔ حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا ذخیرہ اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو جانتے تھے کہ دعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔ (ایضاً)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس فن کے متعلق کیا وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایت کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو کیسی ہو اس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے اسی بنا پر بیہودہ کی تمام موضوعات حدیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اگرچہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو روایت پر کسی قسم کی جرح نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ قدماء کی نسبت اصول سے یہ عام کلیہ قائم کر دیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو

سکتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی ذات مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتیاطیں ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ ما بعد میں پیدا کئے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے گئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ "السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابو سعید نے آ کر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرنی چاہی۔ فقہ کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک مکان و نفقہ ملنا چاہیئے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ **اسکنوھن من حیث سکنتم** جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیئے اور سکنیٰ کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو مکان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ فاطمہ نے یہ روایت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ **لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا ندری لعلھا حفظت او نسیت** یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

متعہ کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طریقے سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے۔

سے مشورہ کیا۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری طرف سے بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔ (یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں مذکور ہیں)

کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں جو خواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو جو تدبیریں کیں آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ جو محدثین نے جو لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبی نے جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گذرا اور جو حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وقد كان عمر من وجله ان يخطئ الصاحب على رسول الله ﷺ يامرهم ان يقلوا الرواية عن نبيهم ولئلا يتشاغل الناس بالاحاديث عن حفظ القرآن عن قرظة بن كعب قال لما سيرنا عمر الى العراق مشى معنا عمر وقال اتدرون لما شيعتكم قالوا نعم مكرمة لنا قال ومع ذلك انكم تاتون اهل قرية لهم دوي بالقرآن كدوي النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم جردوا القرآن واقلوا الرواية عن رسول الله ﷺ وانا شريككم فلما قدم قرظة قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابي سلمة عن ابي هريرة قلت له اكنت تحدث في زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث في زمان عمر مثل ما احدثكم لضربني بمخفقته ان عمر حبس

ثلاثة ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاري فقال لهم اكثرتم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے ان کو حدیثوں میں نہ پھنسانا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو درے سے مارتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محبوس کیا اور کہا کہ تم نے آنحضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے۔ اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں 'میرے نزدیک آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم)

ہمارے نزدیک ان توجیہات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مؤرخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم۔

"یعنی اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کمی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔"

مؤرخ مذکور نے اس روایت کو بہ سند متصل روایت کیا ہے اور روات یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی، النعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابو الحوتکیہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نسبت جو احتیاط تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو معاملات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے کہ

یشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ

(تذکرۃ الحفاظ ذکر عبداللہ بن مسعود)

"یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔"

محدثین نے بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانسو حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعے سے روایت

کی ہو اور وہ در حقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بناء پر حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں۔ لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن وہ اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف لکھا ہے کہ "ہرچند جمع صحابہ عدول اند و روایت ہمہ مقبول، و عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشاں ثابت شود لازم، اما درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود و آنچہ بعد وے حادث شد فرق ما بین السموات والارض است۔" (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱)

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا تھا اگرچہ رواج عام نہ پا سکا۔ لیکن محققین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند دارمی وغیرہ میں بہ تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل ہوگا۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبہ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہینہ بھر میں دو تین حدیث روایت کرتے تھے۔ سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بہ سند متصل منقول ہیں۔

(مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۴۵، ۴۶)

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقدم اصول قائم کیے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

① روایت کا بالفاظ ہونا ضروری ہے۔
② خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔
③ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔
④ خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔
⑤ روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ ضرور ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرداختہ ہے اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلے میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم دوسرے پلے میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ بھاری رہے گا۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے

ولولا خوف الاطالۃ لذکرت من فتاویہ ومذاہبہ ما یتحیر لہ کل فاضل۔

یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا کہ فضلا حیران ہو جاتے۔"

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ

[illegible]

آگے چل کر لکھیں گے لیکن یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکت ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کوفہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بصرہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شام کے ابو درداء و معاذ بن جبل۔ ان میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اور خاص کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

استیعاب [illegible]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ایسے دامن تربیت میں پالا تھا یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بلایا کرتے تھے اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے"۔

محدث ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے **کان عمر یحب ابن عباس ویقربہ**

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبداللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ہمت بڑھاتے اور فرماتے علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں۔ کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہی تھے۔

زید بن ثابت برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔ (فتح المغیث صفحہ ۳۴۸)

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا دار تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ **ستۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتذاکرون الفقہ بینہم علی ابن ابی طالب و ابی وابو موسیٰ علیحدۃ وعمر وزید وابن مسعود علیحدۃ** یعنی اصحاب رسول اللہ میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں مذاکرہ کرتے تھے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ساتھ صفوان ابن سلیم کا قول ہے **لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر وعلی ومعاذ ابی موسیٰ** (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابی موسیٰ اشعری) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ، ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام شعبی کا مقولہ ہے **کان العلم یوخذ عن ستۃ من الصحابۃ** (فتح المغیث صفحہ ۳۴۸) یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تعداد بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۶، ۷ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور صریح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں، ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی بابت حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے۔ لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔

ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا اوپر ذکر گزرا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

> **واما غیر ھولاء الاربعۃ فکانوا یروون دلالۃ ولکن ما کان یمیزون الرکن والشرط من الاداب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قلیلا کابن عمر و عائشۃ وزید بن ثابت۔** (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ [illegible])
>
> یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ روایت کرتے تھے لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں بجز بعض موقعوں کے رائے نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، زید بن ثابت"۔

بہرحال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں استناد پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم روایت کے لئے شام بھیجا تھا لیکن ان کا سنہ ۱۸ ہجری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، [illegible] چار ہی [illegible]۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ [illegible])

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وزید بن ثابت تبع او در اکثر تبع اوست۔" ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل فقہیہ میں جس قدر غور اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے تفقہ اسلامی سے فقہ کا مطمح نظر بنایا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جب اشتباہ ہوتا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور اصحاب کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آ گئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی آخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل)

مشکل مسائل قلمبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو و اثبات کیا کرتے پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے (موطا امام محمد صفحہ ۳۲۱)۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں معتبر حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا

بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی۔ اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا۔ اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو

قبول کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ کی رائے ہم قبول کر لیں تب بھی بہتر ہے۔ لیکن ابوبکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب الرائے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے۔ کلالہ، دادا کی میراث، ربا۔ بعض اقسام مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کد و کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔

ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ، ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین ابن کثیر نے کئی صفحوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں یہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آتے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کرنا

مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کے مشورے سے مسائل طے کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے ان کی رائے بھی ترجیح کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے اکثر مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے کے فیصلہ نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

> كان من سيرة عمر انه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتى تنكشف الغمة ويأتيه الثلج فصار غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الارض ومغاربها
>
> "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی"۔

مسائل اجماعیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ لوگ

اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فیصلے پر معاملہ منحصر رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس منعقد کی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر معمول کو دیکھا جائے چنانچہ روایت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیریں کی تھیں۔ اسی طرح بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و ہم چنیں مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و ایں قریب بہ ہزار مسئلہ خواہد بود تخمیناً" (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۵)۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں منقول ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہی سے فقہ فاروقی پر مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

اصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصلی کارنامہ اور ہے۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی

قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ
ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا۔ یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو اور
جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ
اسکے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوہ واذا امرتکم
بشیء من رایی فانما انا بشر۔

یعنی میں تو آدمی ہوں اس لئے جب میں دین کی بابت تم کو حکم کروں تو
اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا یا جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عادۃً صادر ہوئے۔ عبادۃً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی عادت کے موافق اختیار کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کی موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۸)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کتب سیرت اور احادیث میں تم نے پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر وہ اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ

انکار کرتا ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رائے پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کوڑے مقرر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے۔ اور خدانخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لمحہ کے لئے بھی مسند خلافت پر بیٹھنا ان کا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز جنازہ منافق ان تمام معاملات میں وحی نے تائید کی اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمدن اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج فقہ حنفی میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اس کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب حج تعیین شعار تشخیص کا اصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر آحاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت احتجاج کا ہے۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ بعض کے نزدیک اس سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خبر آحاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر ان واقعات استیذان، جنین، [illegible] عباس بن عبدالمطلب، تیمم جنابت کے مسئلے میں انہوں نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر خبر آحاد سے قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ حکم قرآن مجید کی نص کے مخالف تھا، فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا لیکن امام صاحب نے یہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں کہ جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اسی وجہ سے کوئی عام قاعدہ قرار نہیں پا سکتا۔

۔ اصول حدیث کی رو سے جس حدیث کا راوی ایک سے [illegible] [illegible] اس میں [illegible] ۔
[illegible] حضرت عمر [illegible] ایک [illegible]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کا لحاظ رکھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے اور بڑی بڑی طول طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا رد کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصول تھا اس کی بناء صرف تحقیق حق تھی اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح کسی کی بیجا تعصب نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا تسلیم کر لیا اور جس کو چاہا رد کر دیا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا ایک بڑا حصہ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوئی تو اجتہاد کروں گا۔

(یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ [illegible] میں مذکور ہے)

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصول تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن مجید کی

طرف رجوع کرتے قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

(ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك۔

(ابو داؤد و بیہقی میں مذکور ہے بحوالہ ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰)

"جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو یاد رکھو پھر ان سے قیاس کرو۔"

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعدية الحكم من الاصل الى الفرع بعلة متحدة.

اس کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیہوں، جو وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے تھے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور قیمت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونہ دے اور اس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لیا جو قسم کا ہے تو سود ہو جائے گا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لئے متعدد شرطیں ہیں۔

(۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو۔ یعنی اس کے بارہ میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو۔

(۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ **مما لم يبلغك في الكتاب**

دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ **واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور**

ان مسائل اصول کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث پہنچ گئی اور دوسرے کو نہیں۔ لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو بتفصیل لکھا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان ائمہ نے صراحتاً وہ اصول بیان کئے تھے۔ امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتاً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے استنباط ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا** استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا چاہئے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی انہوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے۔ **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب** یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں ورنہ ان بزرگوں سے صراحتاً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے۔ اسی بناء پر ہے کہ اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مباحثہ کے بعد طے کئے۔ ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں ان سے استنباط

سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا باہم استدلال مختلف ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے۔ کس کو ناسخ ٹھہرایا جائے کس کو منسوخ' کس کو عام سمجھا جائے' کس کو خاص' کس کو موقت مانا جائے' کس کو مؤبد' اس طرح نسخ' تخصیص' تعلیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے۔ عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے' جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی۔ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ (ازالۃ الخفاء)

اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرا لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا تھا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے' عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو روک دیا کہ "نہ بتانا" اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے دوسرے یہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ کھول دیا تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **الخطب یسیر وقد اجتہدنا** یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے (ازالۃ الخفاء صفحہ ۹۰)

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن

بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم' جنابت' متعہ' تمتع حج' مطلقات ثلثہ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکۃ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد صائب نکلا۔ کیونکہ اور وقت نظر ہی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ خمس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل۔

"جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علی نے اگرچہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم ہی حقدار ہیں۔

(کتاب الخراج صفحہ ۱۱ ابن اسحاق)

یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلے کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو بھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی

طرح آنحضرت کے قرابتداروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔

اب ہم کو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ خواہ مخواہ ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے ہیں وہاں بھی بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھ گروہ پیدا کیے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مستحق ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام بالکل لازم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کیے جائیں۔ اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم و بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خمس کے مصارف جو قرار دیے جاتے ہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کیے جائیں۔ اور ایک ایک فرقہ کو برابر دیا جائے۔ اب خود رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

① ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنی عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے۔ (زاد المعاد جلد دوم صفحہ [illegible])

② بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساوات نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمه بینهم علی السواء بین اغنیائهم وفقرائهم ولا کان یقسمه قسمة المیراث بل کان یصرفه فیهم بحسب

المصلحة والحاجة فیزوج منه عزبهم ویقضی منه عن غارمهم ویعطی منه فقیرهم کفایته۔ (زاد المعاد جلد ثانی صفحہ [illegible])

یعنی دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے، مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔"

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے الفاظ میں تعمیم نہیں ہے ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد الشمس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنی عبد المطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت کیا ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ صرف دو باتوں میں ان سے مختلف تھے۔ ایک یہ کہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبد اللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں حنبل نے اپنی کتاب میں عبد اللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے۔

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ایمنا ونقضی منه عن مغرمنا فابینا الا ان یسلمه لنا فابی ذلک علینا۔ (کتاب الخراج صفحہ [illegible])

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم لوگ اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ دے دیا جائے عمر نے اس کو نامنظور کیا۔

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوی القربیٰ کا حق ساقط کر دیا۔ کلبی نہایت ضعیف الروایۃ ہے اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے الفاظ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ برابر پانچواں حصہ دیتے تھے۔ قرآن مجید سے یہ تعین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی جو ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ قرار پایا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اس وقت مال غنیمت کی شکل میں یہی آمدنی تھی۔ چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خاص مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ذوی القربیٰ کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے جب مجبور کیا تو تمام خاندان ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنو ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ کے لئے جو کچھ مقرر تھا وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گو ان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولت مند اور غنی ہو جائیں تاہم ان کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ یہ ایسا دعویٰ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض دنیا داروں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خمس کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت ان کا یہ دعویٰ ہوگا۔

فے کا مسئلہ

ایک اور عظیم الشان مسئلہ فے کا ہے یعنی جو زمین یا جائیداد جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکۃ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا معرکہ بحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ لفظ کے قریب قریب معنی اور ہم معنی الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، فے، ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ ہاتھ آتا تھا تمام فوج والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار کو البتہ سب سے زیادہ چوتھا ملتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ ہاتھ آتا تھا غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر غزوۂ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی ہے تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للّٰہ والرسول۔

”تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔“

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا حق ہے اور اسی

کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے بلکہ یہ آیت اتری۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل۔

"جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔"

اس آیت سے یہ قطعی معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں۔ اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے۔ زمین اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ نضیر کی تقسیم میں جو ۴ ہجری میں واقع ہوا سورۂ حشر کی یہ آیت اتری۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل الی قولہ للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارہم الی قولہ والذین جاءوا من بعدہم

"یعنی جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقرائے مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں گے۔"

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے۔ یہ حقیقت فئی اور غنیمت اور سے کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دی جانی چاہئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ

ان کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العوام، بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے۔ اس پر (جیسا کہ ہم پیچھے مفصل لکھ آئے ہیں) بحث بہ شیخ ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ **والذین جاءوا من بعدہم** پڑھ کر فرمایا کہ

فکانت ہذہ عامۃ لمن جاء من بعدہم فقد صار ہذا الفیء بین ہؤلاء جمیعا فکیف نقسمہ لہؤلاء وندع من تخلف بعدہم

(کتاب الخراج صفحہ ۲۴۔ اس موقع کا تمام واقعہ کتاب الخراج کے ۲۴ صفحہ میں مذکور ہے)

"تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہے اور اس بنا پر یہ تمام لوگوں کا حق ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ اور ان لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔"

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور علاقے بھی تو فتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں پھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآراء رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ باغ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد تھی۔ کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا اور اسی وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر۔

"یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر

اور شیا کو تم نے گھوڑے دوڑا کر نہیں لئے تھے۔ لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔"

اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص تھی تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہو گا اور آنحضرت کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب وتقاضا کے بی بی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طرف سے آج کل بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدن کے اصول بالکل صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ کسی امام یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت یا بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیر قرآن لکھ کر بسر کرتا تھا۔ یہ ان کی ذاتی آمدنی تھی اور اس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آ گئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی۔ جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے، بھائی، ماں، بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہو گا اس پر قابض ہو گا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقے کا یہ قاعدہ مسلم ہے۔ مثلاً جو لوگ فدک کو وراثۃً بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین، عباس، محمد بن حنفیہ وغیرہ کو جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ ان کے بخرے سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین تھے۔

یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب

سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی فتح سے پھرے تو محیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ لڑ بھڑ کے ذریعے سے فتح نہیں ہوا۔ بلکہ اس آیت کے مصداق ہے **فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب** لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملک خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اسی طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کی گئی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سمجھا؟ البتہ یہ امر طلب ہے کہ جب اور مقامات متعدد کی نسبت کسی نے اس قسم کا خیال نہیں کیا تو فدک میں یہ خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ [illegible] رضی اللہ عنہ یہ وقف عام رہیں لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر دیا تھا اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس پر لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی [illegible] مصارف کے لئے خاص کر دیا تھا لیکن [illegible] اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

لكن صفية فدك خالصة لرسول الله وكان يصرف ما يأتيه منها الى ابناء السبيل۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۰)

یعنی "فدک خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔

ان فدك كانت للنبي صلى الله عليه وسلم فكان ينفق منها

۱؎ فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک

ویأکل ویعود منہ علی صغیر بنی ہاشم ویزوج منہا ایمہم۔

(فتح الباری صفحہ ۴۳)

"یعنی فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے"۔

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیتے تھے۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا ملوکہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسے کہ سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خالصہ کر دی جاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوئی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان اصولوں سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ نکتہ خود الفاروق ہیں؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ الخ سے استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ عام ہیں چنانچہ فتح کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے جیسا کہ معلوم ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء

"اور جو ان لوگوں سے (یعنی بنو نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے"۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب

المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ ذاتی ملکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علی اہلہ نفقۃ سنتہم من ہذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ فعمل رسول اللہ بذلک حیاتہ ثم توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابو بکر انا ولی رسول اللہ فقبضہا ابو بکر فعمل فیہا بما عمل رسول اللہ ثم توفی اللہ ابا بکر فکنت انا ولی ابی بکر فقبضتہا سنتین من امارتی اعمل فیہا ما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما عمل فیہا ابو بکر۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل کیا، پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوں پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کرتے تھے"۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اسی وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا

جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا اصول نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے۔ چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے **فهذه عامة للقرى كلها** یعنی یہ حکم اس آیت میں بیان ہوا ہے … پر محدود نہیں بلکہ تمام گاؤں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا … ہونا ہی تمام فتنہ … کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

فهو ملك يخالف حكم غيره من المالكين وهذا النوع من الاموال
هو القسم الذي وقع بعده فيه من النزاع ما وقع الى اليوم
ولو لا اشكال امره عليهم لما طلبت فاطمة بنت رسول الله صلى
الله عليه وسلم ميراثها من تركته وظنت انه يورث عنه ما كان
ملكا له كسائر المالكين وخفي عليها رضي الله عنها حقيقة
الملك الذي ليس مما يورث عنه (زاد المعاد …)

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتدا سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف قرآن و حدیث کا صحیح محل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغۂ شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص ان میں ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، تقریر، شاعری، نسابی، سپہ گری، سواری … مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے ان سب میں سے وافر حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ ان کے معمولی جملوں میں جو زبان سے نکل جاتے تھے اور برجستہ فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمرو بن معدیکرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی قد و قامت کے آدمی تھے اس لئے متعجب ہو کر کہا کہ "اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے"۔ مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ مختصر لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں"۔

قوت تقریر

مختلف موقعوں پر جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زور تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خطبے

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے

اللّٰھم انی غلیظ فلینی اللّٰھم انی ضعیف فقونی الا وان العرب جمل انف وقد اعطیت خطامہ الا وانی حاملہ علی المحجۃ

"اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر، میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستے پر چلا کر چھوڑوں گا۔"

خلافت کے دوسرے مہینے میں جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے بلا لئے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر کی یہ اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں آگ لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے لوگ جمع تھے عیسائیوں کا لاٹ بشپ تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے لوگ شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا، مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی۔ غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے۔ فوج کے سامنے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبان پر رہے۔ فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط کئے اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۲۳ ہجری میں جب حج کیا اور یہ ان کا آخری حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مر جائیں گے تو میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اسی مضمون پر خطبہ دوں گا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ امیرالمومنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے گا، وہ لوگ ہر بات کا پہلو سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے تسلیم کی۔ چنانچہ

مدینہ آئے جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آ کر جمع ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشتاق تھے اس لئے منبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی تقریر کریں گے جو کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔[1] اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن مجلسوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکہ کے جو خطبے ہوتے تھے ان کو تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیاری کر کے گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو اٹک کر رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی اس وقت یہ عذر کیا کہ "ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔"

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔" عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ نکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام قوم اس کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس کی تقریر میں بلندی اور زور آتا ہے۔

۱ صحیح بخاری جلد ۲ مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ [illegible]

لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ خطبے میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولیٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ چند محدود مطالب (مثلاً معرکہ آرائی، واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار) ہوتا تھا۔ ملکی یا پولیٹیکل معاملات خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولیٹیکل خطبے دیئے اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کرتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبے کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں بھی درکار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب موجود تھیں۔ آواز بلند اور پُر رعب تھی۔ قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اني لا اجد هذا المال يصلحه الا خلال ثلاث ان يوخذ بالحق ويعطى في الحق ويمنع من الباطل ولست ادع احدا يظلم احدا حتى اضع خده على الارض واضع قدمي على خده الاخر حتى يذعن للحق يا ايها الناس ان الله عظم حقي ولكم علي خصال اذكرها لكم فخذوني بها لكم علي ان لا اجتبي شيئا من خراجكم ولا مما افاء الله عليكم الا من وجهه ولكم علي ان لا القيكم في المهالك ولا اجمركم في ثغوركم واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغلقوا الابواب دونهم فياكل قويهم ضعيفهم (کتاب الخراج صفحہ ۶۷)

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

انكم مستخلفون في الارض قاهرون لاهلها قد نصر الله دينكم فلا تصبح امة مخالفة لدينكم الا امتان امة مستعبدة للاسلام واهله يجزون لكم عليهم المؤنة ولكم المنفعة وامة تنتظر وقائع الله وسطواته في كل يوم وليلة قد ملأ الله قلوبهم

رعبا فليس لهم معقل يلجؤن اليه ولا مهرب يتقون به قد دهمتهم جنود الله ونزلت بساحتهم مع رفاغة العيش واستفاضة المال وتتابع البعوث وسد الثغور الخ (ازالۃ الخفاء از طبری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے خطبے کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا۔

اللهم لا تدعني في غمرة ولا تأخذني على غرة ولا تجعلني مع الغافلين۔

(حوالہ ازالۃ الخفاء)

قوت تحریر

قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا۔ ان کے فرامین، خطوط، مقولات اور توقیعات ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے۔ چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانهم فاعوذ بالله ان تدركني واياك عمياء مجهولة وضغائن محمولة واهواء متبعة كن من مال الله على حذر وخوف الفساق واجعلهم يدا يدا ورجلا رجلا واذا كانت بين القوم ثائرة يا لفلان فانما تلك نجوى الشيطان فاضربهم بالسيف حتى يفيئوا الى امر الله وتكون دعوتهم الى الاسلام۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام

اما بعد فان القوة في العمل ان لا تؤخروا عمل اليوم لغد فانكم اذا فعلتم ذلك تداركت عليكم الاعمال فلم تدروا ايها تأخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک خط لکھا، عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہٖ نقل کی ہیں ان کے لکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض فقرے یہ ہیں۔

وقد علمت انه لم يمنعك من ذلك الا ان عمالك عمال السوء اتخذوك كهفا وعندي باذن الله دواء فيه شفاء عما اسألك عنه فلا تجزع ابا عبد الله ان يؤخذ منك الحق وتعطاه فان النهر يخرج الدر۔

مذاق شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وکان من انقد اہل زمانہ للشعر وانفذہم فیہ معرفۃ۔

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے"۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔ (کتاب البیان والتبیین جلد [illegible] صفحہ [illegible])

"یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے"۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شعر فہم نہ تھے اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے تو ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی تھی (۱) وہ بذات خود شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ ورنہ شعر کے رمز آشنا ان سے کون بڑھ کر ہو سکتا تھا۔

(۱) دیکھو کتاب البیان والتبیین جلد [illegible] صفحہ [illegible]۔ کتاب العمدہ باب عرض الشعر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا امراؤ القیس، زہیر، نابغہ ان سب میں بھی زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہتے تھے اہل عرب اور

علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ریمارک۔

لانہ لا یتبع حوشی الکلام ولا یعاظل من المنطق ولا یقول الا ما یعرف ولا یمتدح الرجل الا بما یکون فیہ۔

"وہ (زہیر) غیر مانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں پائے جاتے ہیں"۔

پھر مثال کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتدرت قیس بن عیلان غایۃ
من المجد من یسبق الیہا یسود
ولو کان حمد یخلد الناس لم تمت
ولکن حمد الناس لیس بمخلد

محققین ادب نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ پایا۔ اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے متعلق زہیر کا کچھ کلام پڑھو اس نے

ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا۔ اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن تم نے جو دیا وہ فنا ہو گیا اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے نے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے۔ اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ کر سکا۔

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الا سلیمان اذ قال الالہ لہ　　قم فی البریۃ فاحددھا عن الفند

لوگوں نے کہا کہ نابغہ کا! پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتیتک عاریا خلقا ثیابی　　علی خوف تظن بی الظنونا

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبۃ　　ولیس وراء اللہ للمرء مذہب

لوگوں نے کہا نابغہ کے فرمایا کہ یہ اشعر العرب ہے۔ (آغانی ج [illegible] صفحہ [illegible])

امراؤ القیس کی نسبت ان کی رائے

بایں ہمہ وہ امراؤ القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے معترف تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراؤ القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے

سابقہم خسف لہم عین الشعر فافتقر عن معان عور اصح بصر۔

"وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا"۔

اخیر فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراؤ القیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں

کم درجہ پائے جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (باب المشاہیر من الشعراء)

شعر کا ذوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے بار بار مزے لے کر پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعہ ثلاث　　یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے۔ ایک اور دفعہ عبدۃ ابن الطیب کا قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھڑک اٹھے اور دہرایا۔

والمرء ساع لامر لیس یدرکہ　　والعیش شح و اشفاق و تامیل

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاسلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کئے۔ (یہ تمام روایتیں [illegible] کتاب البیان والتبیین [illegible] میں منقول ہیں)

حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے تھے۔

جس قسم کے وہ اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت نفس، حمیت، عبرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بناء پر امرائے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ یدل علی معالی الاخلاق
وصواب الرای ومعرفۃ الانساب

"لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راہنمائی کرتے ہیں"۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔

علموا اولادکم العوم والفروسیۃ ورووھم ما سار من المثل وحسن من الشعر (ازالۃ الخفاء صفحہ ...)

"اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔"

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے۔ اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیئہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ

بنو العجلان ایک نہایت معزز قبیلہ تھا ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا

اذا اللّٰہ عادی اھل لوم ورقۃ　　فعادی بنی العجلان رھط ابن مقبل

"خدا اگر کمینہ قوموں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بلکہ بددعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے انہوں نے دوسرا شعر پڑھا

قبیلتھم لا یغدرون بذمۃ　　ولا یظلمون الناس حبۃ خردل

"یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔ ملا تو شاعر نے اس خیال سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الا عشیۃ　　اذا صدر الوراد عن کل منھل

"یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آچکے ہیں۔"

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کسی اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو اچھی بات ہے انہوں نے آخری شعر پڑھا

وما سمی العجلان الا لقولھم　　خذ القعب واحلب ایھا العبد واعجل

"اس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ اے غلام پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دوہ۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سید القوم خادمھم

علم الانساب

علم الانساب بھی قریش کا خاص فن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خاندانی علم تھا۔ جو کئی پشتوں سے چلا آتا تھا ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہود پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

کان اھل الکتاب یقرء ون التوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام

"یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں

کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند دارمی میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا (مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲)۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرانی زبان اس قدر جانتے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے اصحاب میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

(کنز العمال بحوالہ ابن ابی شیبہ جلد اول صفحہ ۱۳۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزادی اور نکتہ سنجی سے یہاں بھی کام ہوا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

ذہانت و طباعی

ان کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گزر چکا ہے۔ لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب وداب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصداق

بنائے گا (تاریخ طبری واقعہ سال ۲۱ یا ۲۲)

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین۔

"ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور ملک کا وارث بنائیں"۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ "خدایا مجھ کو فتنوں سے بچانا"۔ فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو مال اولاد نہ دے (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵) (قرآن مجید میں مال اور اولاد کو فتنہ کہا ہے)

انما اموالکم واولادکم فتنة۔

ایک دفعہ ایک شخص سے پوچھا کہ دریا کے سفر میں خطرہ ہے یا نہیں؟ اس کی رائے تھی کہ دریا کا سفر خطرناک ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں حالانکہ خدا فرماتا ہے

هو الذی یسیرکم فی البر والبحر

"وہ خدا ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے"۔

حکیمانہ مقولے

ان کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور بالخصوص مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں ہم نمونہ کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کرتے ہیں۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ

"جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے"۔

اتقوا من تبغضه قلوبکم اعقل الناس اعذرهم للناس۔

"جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو"۔

لا تؤخر عمل یومک الی غدک۔

"آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھو"۔

ابت الدراهم الا ان تخرج اعناقها۔

"ہے مروت بچا کے بغیر نہیں رہتی۔"

ما ادبر شیء فاقبل۔ "جو چیز پیچھے ہٹ جاتی ہے پھر آگے نہیں بڑھتی۔"

من لم یعرف الشر یقع فیہ۔
"جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہو گا۔"

ما سألنی رجل الا تبین لی عقلہ۔
"جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔"

واعظانہ خطاب کر کے

لا یلھیک الناس عن نفسک ... ترک الخطیئۃ اسھل من معالجۃ التوبۃ۔
"لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں مت بھول جاؤ ... تھوڑی سی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا بہ نسبت توبہ کے آسان ہے۔"

لی علی کل خائن امینان الماء والطین
"ہر خائن پر میرے دو امانتدار نگہبان ہیں، آب و گل۔"

لو ان الصبر والشکر بعیران ما بالیت علی ایھما رکبت۔
"اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو مجھ کو اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔"

رحم اللہ امرأ اھدی الی عیوبی۔
"خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)۔"

صائب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کسی معاملہ میں کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ ٹھیک وہی ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری باب اسلام عمر)

اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہو گی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں۔

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے قرنا کی رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔

اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق وحی اسی کے موافق آئی۔

ازواج مطہرات کا پردہ

آنحضرت کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر بار بار خیال ہوا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافق پر نماز جنازہ

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا جب مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق نبوی کی بنا پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے منع کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منھم یہ تمام واقعات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون مرتب ہوا۔ حضرت ابوبکر اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے

مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض صورتوں کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی رائے صائب نکلی۔ ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ کی یہ رائے تھی کہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف درجے قرار دیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دونوں صاحبوں نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اس بار گراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لیے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائے دی اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور دوررسی

وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ

لا یعجبنکم من الرجل طنطنۃ

یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ۔

اکثر کہا کرتے تھے

لا تنظروا الی صلوۃ امرء ولا صیامہ ولکن انظروا الی عقلہ وصدقہ۔

یعنی کسی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تم تو اس کو جانتے ہی نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہ تھی کہ اکثر محدثین جس کو زاہد پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبد الکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا۔

غرنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد۔ (فتح المغیث صفحہ ۱۳۸)

یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے تھے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے **وأمر أهلك بالصلوة** (موطا امام مالک) فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ لیکن ... سے زیادہ ... پڑھتے تھے۔ عبد اللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ یوسف اور حج پڑھی تھی۔ یونس کہف ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔

نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام ہوتا اور وقت کے تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے۔ ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ تاکید کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو کر تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جیوش وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کرتا ہوں۔

[illegible]

[illegible]

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے نماز میں قرآن کے ذریعہ احتساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت **فلیعبدوا رب ھذا البیت** آئی تو کعبہ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے تھے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان کی آواز سنی اور وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

روزہ

ابوبکر بن شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے۔ لیکن انہی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اس کے مارنے کے لئے درہ اٹھایا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۰)

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر پر چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب؟ ابو موسیٰ نے کہا نہیں۔ ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں"۔ مرتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم اصلی الصلوۃ کلھا واصوم

بے تعصبی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن وہ متعصب نہ تھے

ہمارے علماء عیسائیوں کا برتن وغیرہ استعمال کرنا تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت امام بخاری اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔ **توضأ من ماء فی جرۃ نصرانیۃ**۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۸ جلد دوم) کنز العمال کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے **توضأ عمر من سطل فی جرۃ نصرانیۃ**۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۸) یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اس کو کھاؤ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۸) عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج کل عموماً ممنوع سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معمولات میں۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب سلطان کا گذر ہو تو عیسائی اس کا دشمن مسلمان رہیں، غیر قوموں سے عداوت اور حسد کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ ان کی جیسی وصیت، اور بعد کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں "و اہل ذمہ تنگ نگاہ داشتن اہل ذمہ تاکید فرمود" (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۳)

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے۔ لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان روایتوں کا کیا پایہ ہے۔ ان بزرگوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مال گذاری جس قدر تھا سریانی، قبطی وغیرہ میں تھا۔ اور اس وجہ سے محکمہ مال گذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے۔ خلافت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قوانین فرائض کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا

"ہمارے پاس ایک رومی کو بھیجو جو فرائض کے حساب درست کر دے"۔

آج مذہب کا کوئی شخص کم منکر نہیں ہو سکتا اور یہ ایک عجیب مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں عیسائی یہودی اسی بے تکلفی کے ساتھ منکر ہو جاتے تھے۔ اور جب تک چاہتے تھے مسلم رہتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں (کتاب الخراج صفحہ ...)۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آ سکتی ہے۔

علمی صحبتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی۔ ایک دن صحابہ بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس میں جمع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا **اذا جاء نصر اللہ والفتح** سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آ چکی تو یہ تیرے دنیا سے جانے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شک خدا بڑا قبول کرنے والا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے۔ (صحیح بخاری ... سورۃ نصر)

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے معنی پوچھے **ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ** لوگوں نے کہا کہ خدا زیادہ جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لاحاصل جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہئے کہ نہیں معلوم ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے چونکہ جواب ناتمام

تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس تونگر کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا دینی چاہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ سے سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے یعنی یہ آیت **لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا** یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھا پی لیا ان پر الزام نہیں "استدلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بدر، خندق، حدیبیہ اور دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ یہ مقولہ پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔

(ازالۃ الخفاء بحوالہ ... صفحہ ۲۲)

یایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ۔

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نو عمر اور بوڑھوں کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ... زہری سے روایت ہے کہ ...)

وکان القراء اصحاب مجلس عمر و مشاورتہ کہولا کانوا او شبانا

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مجلس و اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو مستنبط ہوا اور فقہ عمری کہلاتا ہے۔ اسی مجلسوں کی بدولت ہوا۔

اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن عوف، حر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے وعلیٰ ہذا لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ تاہم یہ حکم تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے۔ عبد اللہ بن عباس اس وقت بالکل نوجوان تھے ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتلائی۔ اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبد اللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبد اللہ بن مسعود کی بھی قدر کرتے تھے ۲۱ ہجری میں جب ان کو کوفہ کا قاضی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبد اللہ بن مسعود نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

کنیف ملئ علماً۔

یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خورد بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی ابن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔ ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔ زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین مقرر کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو عطا کرتے تھے۔ (اصابہ)

لابن الجوزی کا اسی طرح ابو عبیدہ، سلمان فارسی، عمیر سعد، ابو موسیٰ اشعری، سالم، ابو درداء، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اہل کمال کی قدردانی

فن کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰۰ دینار سالانہ اس بناء پر مقرر کیا کہ وہ پرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں (فتوح البلدان صفحہ ۴۵۱)۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بناء پر مقرر کئے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔ (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰)

لطیفہ

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں ان کے وہ اشعار جو انہوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بلایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے یہ شعر پڑھا

لقد طلبت هيّنا موجودا أرجزاً تريد أم قصيدا

تم نے نہایت آسان چیز کی فرمائش کی ہے کیا قصیدہ چاہتے ہو یا رجز۔

پھر لبید کو بلا کر یہی حکم سنایا وہ سورۂ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجی وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کرو۔ اغلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہ صلہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔ اس زمانے میں جس قدر اہل کمال تھے مثلاً شعراء، خطباء، نساب، پہلوان، بہادر سب ان کے دربار میں آتے اور ان کی قدردانی سے مشکور ہوتے۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی

ابوبکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا۔ جس طرف نکل جاتا لوگ دور دور سے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیے پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے

وکنا کندمانی جذیمة حقبة
من الدهر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا
لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

"ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے ندیموں کے مثل رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جدا نہ ہوں گے۔ پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا امیرالمومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ "تم سے بہتر میری تعزیت کسی نے نہیں کی۔"

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنسا تھی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کعبہ میں روتے اور پیٹتے دیکھا، وہیں جا کر تعزیت کی۔ اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدی کرب تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے دربار میں بلایا اور قادسیہ کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدی کرب پہلوانی کے ساتھ خطیب و شاعر

بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فن حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں تفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اخوک وربما خانک

"یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دے جاتا ہے۔"

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

برد المنایا تخطی وتصیب

یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بہک جاتے ہیں۔

اسلحہ کی نسبت کہا۔

علیه تدور الدوائر

اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجیب عجیب بلیغ فقرے استعمال کئے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل لوگوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مراتب میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے شروع کیا۔ اور اس میں بھی حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کو قرب تھا وہ بنو عبد الشمس، نوفل، پھر عبدالعزیٰ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ عدی پانچویں درجے میں پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب

کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے۔ لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔ رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۵ وغیرہ میں ہے)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کی ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد جب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی پسند نہیں کرتے تھے۔

(بخاری کے اصل الفاظ یہ ہیں کراہیۃ محضر عمر)

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا حال جانا ہوا تو بالکل صفائی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکے میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے گئے۔ اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق و عادات، تواضع و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مورخین نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان

قائم کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے۔ خالد و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باز پرس ہے۔ سعد بن ابی وقاص، ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے۔ سر پر پھٹا سا عمامہ ہے۔ پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس سے کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔ ([illegible])

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا۔ احنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا "آؤ تم بھی میرا ساتھ دو بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے۔" ایک شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا: ای عبد اعبد منی یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔"

مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لئے سواری سے اترے۔ اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو (اصل کر کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ ادھر اہل شام بھی استقبال کو آ رہے تھے۔ جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجمی شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)۔

ایک خطبہ میں کہا کہ "صاحبو! ایک زمانے میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر لا دیا کرتا تھا۔ اس کے صلے میں وہ مجھ کو چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔" یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری

طبیعت میں بڑا فرق آ گیا تھا، یہ اس کی ہوا تھی۔

۲۳ھ ہجری میں حج کیا اور یہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گزرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے۔ اب قویٰ کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔ [illegible]

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا، لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ تھی۔ کبھی کبھی موقع ملتا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے۔ "جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو"۔ محدث ابن الجوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ساتھ تھے۔ عبد اللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے تھے اور حنظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے رکے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتے رہے۔ جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے؟ فرمایا کہ گانا مسافروں کا زاد راہ ہے۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا۔ ابو عبیدہ اور عبد الرحمن بن عوف بھی ہمرکاب تھے۔ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہتر ہے کہ اپنے اشعار گاؤ۔ چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔ [illegible]

[illegible]

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند و تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ لوگوں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لئے اگر ابو البختری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ گستاخی ناگوار گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا ابو حفص! (حضرت عمر کی کنیت تھی) کیا دیکھتے ہو کہ رسول کا چچا تلوار کے قتل پر ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیتاب ہو گئے اور کہا کہ "اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں"۔ حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ منافقانہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے اور غزوۂ بدر میں شریک رہے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برافروختہ ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الخطاب تم کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کر دوں گا۔

ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کہا "عدل اختیار کر"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکل پڑتی تھی اور کافر تو کافر خود مسلمان کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ لیکن اسلام ... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتقاء اور آنحضرت کی صحبت نے ان کو روز بروز ... حلیم ... یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ لوگوں کے ساتھ حسن رحمی اور لطف سے ...

تھے آج مسلمانوں سے مسلمان نہیں کرتے۔

اہل و اولاد کے ساتھ محبت

ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں قرائن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ اہل و اولاد کے ساتھ بہت محبت رکھتے تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا۔ اس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی کس قدر عزت کرنی چاہیے خیال نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم ان کو معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت سست کہا انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا اب تمہارا یہ رتبہ ہو گیا ہے کہ تمہاری بیٹی بھی رسول اللہ سے ایسی ہی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں ان سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ حضرت عمر نے کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابوبکر کا زمانہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن قبا کی طرف نکلے تو عاصم کو دیکھا کہ مسجد کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ حضرت عمر نے ان کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی وہ آئیں اور مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے پاس رکھوں گی۔ نزاع بڑھی تو جھگڑا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فیصلہ کو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیے وہ مجبور ہو گئے یہ واقعہ موطا امام مالک میں مذکور ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا کہ اور امور میں تھا۔

اولاد اور کل خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی۔ چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت غم ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آتا تو فرمائش کرتے کہ زید کا مرثیہ کہو۔ مجھ کو تم سے ایسا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

مسکن

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ مکہ سے ہجرت کی تو عوالی میں مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ رہے تھے۔ جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید لیا اور قیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لیے یہ مکان مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور رہا۔

(دیکھو ... الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر ... امام محمد ...)

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قریب ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جاگیریں عطا کیں خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔

جاگیر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت بیش قیمت زمین تھی۔ مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلم بند کرائے تھے۔ یہودی حارثہ سے بھی ان کو ایک زمین ہاتھ آئی۔ اور اس کا نام بھی ثمغ تھا۔ لیکن انہوں نے یہ زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں (خلاصۃ الوفا باخبار مقام ثمغ)۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں کہ یہ زمین نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی نہ وراثت میں منتقل ہو گی جو کچھ اس سے حاصل ہو گا وہ فقراء اور ذوی القربیٰ غلام مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ صرف تجارت کے علاوہ زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ تخم خود مہیا کرتے تھے اور کبھی شریک کے ذمے ہوتا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعہ میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی۔ معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آٹا کبھی چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام الرمادہ میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں۔ گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ۔ مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیض پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی۔ جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی چپل وضع کی ہوتی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے

اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ رہبانیت کو پسند کرتے تھے اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ بدن پر لباس فاخرہ تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ ہو کر رہنا چاہئے نہ بالکل بنا ٹھنا رہنا چاہئے۔ حاصل یہ کہ نہ بہت تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا کہ رنگ گندم گوں، قد نہایت لمبا، یہاں تک کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے نمایاں رہتا تھا۔ رخساروں پر گوشت کم تھا، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شعبہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مؤرخین نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ [illegible]۔

۱۔ بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔
۲۔ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔
۳۔ تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔
۴۔ امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔
۵۔ فوجی دفتر ترتیب دیا۔
۶۔ والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
۷۔ دفتر مال قائم کیا۔
۸۔ پیمائش جاری کی۔

---

1. اس موقع سے اکثر اولیات کتاب الاوائل ابی ہلال العسکری ... میں مذکور ہیں۔ باقی دیگر موقعوں سے نکالی گئی ہیں۔

(۹) مردم شماری کرائی۔
(۱۰) نہریں کھدوائیں۔
(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط، موصل۔
(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
(۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی اس کی تفصیل حصہ دوم میں گزر چکی ہے۔
(۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کئے۔
(۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
(۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔
(۱۷) درہ کا استعمال کیا۔
(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
(۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔
(۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔
(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔
(۲۴) راہ میں پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔
(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔
(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔
(۲۸) مکاتب قائم کئے۔
(۲۹) معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے۔
(۳۰) حضرت ابو بکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
(۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔
(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔
(۳۳) فجر کی اذان میں **الصلوٰۃ خیر من النوم** کا اضافہ کیا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
(۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔
(۳۶) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔
(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔
(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔
(۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔
(۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔
(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔
(۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کیے۔ پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعونؓ سابقین صحابہ میں تھے یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ ۲ ہجری میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کی لاش کو بوسے دیتے تھے اور بے اختیار روتے تھے۔ عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ انہی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارک سلمہؓ کی بہن تھیں۔ چونکہ یہ اسلام نہیں لائی تھیں۔ اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد ۶ ہجری میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھیں ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائی تھیں اور اس وجہ سے ۶ ہجری میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبیداللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلے سے تھیں۔ مدینہ میں آکر انصار میں قرابت پیدا کی۔ یعنی ۷ ہجری میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ ان کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمایا اور ۱۷ ہجری میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح

ہوا۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتبر مورخوں نے تفصیل لکھا ہے۔ علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مورخین نے صاف تفریق کی ہے۔ علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ وہ خاص عبارتیں یہ ہیں۔ تاریخ طبری۔ ثقات ابن حبان و کتاب ... شہر ذی القعدۃ۔ تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمۃ و قتل ... شہر ذی القعدۃ۔ معارف ابن قتیبہ۔ اولاد عمر زید ... و امھا ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسد الغابۃ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر میں بھی حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی بہت تصریح کی ہے کہ ام ... کے خوف سے ہم اعادہ کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں ایک چادر بچ رہی اس کی نسبت ان کو تردد تھا کہ کس کو دی جائے۔ ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعطھا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی عندک یعنی ام کلثوم۔ (صحیح بخاری باب ذکر ام سلیط صفحہ ۴۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں اور رسول اللہ کی نواسی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بیویاں تھیں۔ یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی، فکیہہ یمنیہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل، عاتکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا اور چونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے۔ عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فآلیت لا تنفک عینی حزینۃ ۔ علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہے گی اور بدن خاک آلود رہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۲ ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اس

لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو ۳ھ ہجری میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۴۵ھ ہجری میں ۶۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمن، زید، مجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں تین سابق الذکر زیادہ مشہور ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے۔ ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے"۔ چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک ترکی کو متعین کیا جس نے ان کو مسموم تیر سے زخمی کیا۔ اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آ کر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ آمادہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبداللہ

حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ کے ان سات فقہاء میں

سے محسوب ہیں۔ جن پر حدیث و فقہ کا دار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبداللہ بن عمر ہوں، دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

عبیداللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے عبیداللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔

عاصم

تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے ۷۰ھ ہجری میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فلیت المنایا کن خلفن عاصماً ۔۔۔ فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً

"کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لے جاتی تو سب کو لے جاتی"۔

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور خوب شعر کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے۔ لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتوں، پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لیس من اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

"خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی آخری حد ہے۔ دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں ان کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ہمپایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ نفس کی اصلی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن ہے بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف، چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اور مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو تو صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی ـــــ مسیح بھی تھے سلیمان بھی تھے اور نوشیرواں بھی تھے امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو، دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہ میں کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رک گئیں یا انتظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابو الفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ

آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد بن وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو ایسا وہم ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے۔ وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا۔ اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا۔ اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑی تھی۔ قدیم انتظامات جو کافی ہوتے تھے ان پر کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے نا آشنا تھی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا ہے۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرش خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازاروں میں پھرا کرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ در و دربار، نقیب و چاوش، حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ

کرتا ہو زمین دھل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام میں سواری کے اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آ گیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عباس' زید بن ثابت' ابو ہریرہ' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور آئمہ فن پیدا ہوئے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ' شافعی' بخاری' غزالی' رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس باب میں کچھ ارشاد فرمایا اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔ مسئلہ قضا و قدر' تعظیم شعائر اللہ' حیثیت نبوت' احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا' احادیث کا درجہ' اخبار آحاد کی قابلیت احتجاج' احکام خمس و غنیمت' یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور ائمہ فن نے ان کے متعلق دقت اور طباعی کا اخیر درجہ صرف کر دیا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا۔ تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ جو ائمہ فن نے ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو اعلانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے بعد اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت' تواضع و انکساری' خاکساری و سادگی' راستی و حق پرستی' صبر و رضا' شکر و توکل یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا لقمان' ابراہیم بن ادہم' ابو بکر شبلی' معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جا سکتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سینۂ فاروق اعظم را بمنزلۂ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد و در ہر درے صاحب کمالے نشستہ در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین با آں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء و در دیگر نوشیروانے با آں ہمہ رفق و لین و رعیت پروری و داد گستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در بحث فضائل حضرت فاروق سوء ادب است) و در دیگر امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکؒ با آں ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاؤالدین نقشبند و در دیگر محدثے بوزن ابو ہریرہ و ابن عمر و در دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار و مردماں گرد اگرد ایں خانہ ایستادہ اند و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فنے درخواست می نماید و کامیاب می گردد۔

۵ جولائی ۱۸۹۸ء

شبلی نعمانی

مقام کشمیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ مکمل اور مستند و مقبول عام سیرت

سیرۃ النبی ﷺ

تالیف

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ○ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ مکمل مستند و مقبول عام سوانح عمری [illegible]

[illegible]

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی

کتب ادعیہ عملیات وتعویذات طب ومعالجات

آئینہ عملیات	مجرب عملیات و تعویذات	صوفی [illegible]	
اصلی جواہر خمسہ	عملیات کی مشہور کتاب	شاہ محمد غوث گوالیاری	
اصلی بیاض محمدی	مجرب عملیات و تعویذات	[illegible]	
اعمال قرآنی	قرآنی وظائف و عملیات	مولانا اشرف علی تھانوی	
مکتوبات و بیاض یعقوبی	علمائے دیوبند کے مجرب عملیات [illegible]	مولانا محمد یعقوب	
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہر وقت کام آنے والے گھریلو نسخے		
جنات کے پراسرار حالات	[illegible]	[illegible]	
حصن حصین	[illegible]	امام محمد جزری	
خواص حسبنا اللہ ونعم الوکیل		شیخ ابوالحسن شاذلی	
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف		مولانا مفتی محمد شفیع	
زاد السعید	فضائل درود شریف	مولانا اشرف علی تھانوی	
شمس المعارف الکبریٰ	تعویذات و عملیات کی مستند کتاب	علامہ بونی	
طب جسمانی و روحانی	ایک مستند کتاب	امام غزالی	
طب روحانی مع خواص القرآن	قرآنی عملیات	مولانا [illegible]	
طب نبوی کلاں		امام ابن قیم الجوزیہ	
طب نبوی خورد	آنحضرت کے تجویز کردہ نسخے	[illegible]	
علاج الغرباء	طب یونانی کی مقبول کتاب [illegible] مستند نسخے [illegible]		
عملیات عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مجرب عملیات		
میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات		مولانا مفتی محمد شفیع	
مناجات مقبول مترجم	دعاؤں کا مستند و مقبول مجموعہ	مولانا اشرف علی تھانوی	
مناجات مقبول	[illegible]	مولانا اشرف علی تھانوی	
مناجات مقبول	[illegible]	مولانا اشرف علی تھانوی	
نقش سلیمانی	عملیات و تعویذات کی مشہور کتاب	[illegible]	
مشکل کشا	[illegible]	[illegible]	
مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دافع الافلاس		مولانا مفتی محمد شفیع	
نافع الخلائق	عملیات و تعویذات کی مشہور کتاب	[illegible]	
مجموعہ وظائف کلاں	مستند [illegible]		

دارالاشاعت اردو بازار کراچی [illegible]

معارفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

مولانا محمد منظور نعمانی

جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی علمی ذہنی اور فکری سطح اور عصرِ حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر کیا گیا ہے جس نے اُردو خوانوں اور علومِ جدیدہ کے حامل حضرات پر علمِ حدیث کے حصول کے لیے حجت تمام کردی ہے۔ ہر حدیث کے عربی متن کے ساتھ آسان اُردو زبان میں ایسی دل نشین تشریح کی گئی ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مکمل کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

قیمت کامل سیٹ اعلیٰ کاغذ مجلد	قیمت کامل سیٹ [illegible]

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

کتب تصوف وسلوک

احیاء العلوم مذاق العارفین	[illegible]	[illegible]
کیمیائے سعادت اکسیر ہدایت	[illegible]	
مجموعہ رسائل امام غزالی	[illegible]	
مکاشفۃ القلوب	[illegible]	
بیاض یعقوبی	[illegible]	
تربیت السالک	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	
مجالس الابرار	[illegible]	
مجالس حکیم الامت	[illegible]	
ملفوظات امدادیہ	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	
تعلیم الدین	[illegible]	
[illegible]	[illegible]	
غنیۃ الطالبین	[illegible]	
[illegible]	دار الاشاعت اردو بازار کراچی	